جلد 15 شمارہ 4 اپریل 2013ء جمادی الاول / جمادی الثانی 1434ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

اللہ

صداقت

محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ
گوجرانوالہ

فلاحِ آدمیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار
توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0300-6493335

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835/055-4005431

فیکس نمبر: +92-55-3736841 ای میل: info@toheedia.net

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿ ✿ ✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

سالانہ اجتماع

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا روح پرور سالانہ اجتماع

مورخہ 12،13اپریل 2013ءبروز جمعہ، ہفتہ کومنعقد ہوگا

۔

اللہ کے قرب اوراس کی رضا کے حصول کی خاطر،

تزکیہ نفس اور اصلاح قلب کی ان مجالس میں اہتمام کے

ساتھ شرکت فرما کرانوار و برکات سے مستفیض ہوں۔

بمقام: **مرکز تعمیر ملت**

وحید کالونی نزد کوٹ شاہاں (پیرو شہید بس سٹاپ)

جی ٹی روڈ **گوجرانوالا**

رابطہ نمبر 0300-6493335

دل کی بات

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ کنونشن 2013 منعقد ہورہا ہے۔یہ کنونشن سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی سب سے بڑی مگر منفرد نوعیت کی سرگرمی ہے۔اس کے شرکاء اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اقدس کے قرب،لقاء،عرفان،اور دیدار کی خواہش کو سینوں میں سموئے ہوئے آتے ہیں۔ایک طرف دل میں یہ خواہش ہے تو دوسری طرف ہر اندر جانے والی اور باہر آنے والی سانس کے ساتھ 'اللہ' کی خواہش دل و دماغ کو چھو کر نکلتی ہے اور مالک کائنات کے حضور قبولیت کی آس بن کر جمع ہوجاتی ہے۔یہ لوگ سرور کائنات حضرت محمد مجتبیٰ ﷺ کے مخلص پیروکار ہیں جو اس توحید کے ماننے والے ہیں جس کا درس خود رحمۃ اللعالمین ﷺ نے اپنی امت کو دیا، اسی رنگ میں اپنے آپ کو رنگنے کیلئے کوشاں ہیں جس کو رب کائنات نے صبغة الله و من احسن من الله صبغه۔'اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہے؟' کہا۔یہ لوگ اسی اخلاق و کردار کیلئے جستجو کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی صورت میں ہر لحاظ سے مکمل اور رہتی دنیا تک کے انسانوں کی ابدی اور دائمی کامیابی کا ضامن ہے۔**سلسله عاليه توحيديه** سے وابستہ تمام شرکاء تصوف کے اس راستہ پر گامزن ہیں جس کی وضاحت قرآن کریم نے 'حکمت'، کتب احادیث مبارکہ نے 'احسان' اور بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے 'صحوی تصوف یعنی تصوف بیدار' کی صورت میں کی ہے۔

سالانہ کنونشن میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ افراد ہی مہمان اور وہ خود ہی میزبان ہوتے ہیں۔اس کنونشن کا انعقاد خالصتاً ایک روحانی سرگرمی کے طور پر ہوتا ہے۔یہ سیاسی نوعیت کی سرگرمی نہیں ہوتی جس میں انسانی جذبات پر قوت بیان سے حکمرانی کرنے والے مقرر اور خطیب حضرات مدعو کیے گئے ہوں اور حاضرین کا ایک بڑا ہجوم سامعین کی صورت میں موجود ہو۔سالانہ کنونشن میں بادی النظر کیلئے نہ تو بڑا ہجوم ہے، نہ مشہور و معروف مقرر، نہ کشف کرامات کے

مظاہرے ہیں، اور نہ ہی کسی اور قسم کی خرق عادات ۔جس نے دیکھنا ہے وہ کنونشن کے شرکاء کی قلبی حالت کو دیکھے، ان کی سادہ مگر مجاہدانہ روش، اخلاص اور کردار کو دیکھے، کنونشن کے شب و روز میں ان کی بے لوث باہمی محبت اور پیار کو دیکھے۔ بظاہر تو شاید یہی کچھ ہے ۔اگر روحانی لطف و سرور اور ان بے مثال روحانی نعمتوں کا اندازہ لگانا ہو تو پھر اس کے لئے مروجہ طریقہ کار کو اپنانا پڑے گا۔ تصوف میں حاصل ہونے والے روحانی ثمرات سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں دو چار ماہ با قاعدگی سے بتائے گئے ذکر اذکار سے نمایاں ہونا شروع ہو جاتے ہیں ۔کنونشن کے بعد بھی سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ افراد کے معمولات زندگی معاشرے میں اخلاقی لحاظ سے کافی بہتر ہوتے ہیں۔ اور یہ سب کیوں نہ ہو ۔انسان کی زندگی کو ہر قسم کے بحث مباحثے اور نفرتوں سے آزاد کر کے عالمگیر محبت اور صداقت سے مزین کرنے کے ساتھ ساتھ ذکر الٰہی سے روشن کر دیا جائے تو انسانی کردار کا معطر ہو جانا فطری عمل ہے ۔یہی وہ نسخہ کیمیا ہے جس کیلئے انسانیت سرگرداں ہے ۔

ہمارے سالانہ کنونشن کی اگر دوسری جماعتوں کے اجتماعات سے کوئی مماثلت ہے تو وہ یہ ہے کہ ہم بھی سال میں ایک مرتبہ باہمی جائزہ کیلئے اکٹھے ہوتے ہیں، ماضی پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں، ماضی کی کمی اور کوتاہیوں کو دور کرنے کی کوشش کا اعادہ کرتے ہیں، اپنی اجتماعیت کو زندہ رکھنے کیلئے دعوتی و تبلیغی لائحہ عمل اور فکر کو تازہ کرتے ہیں، اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں راہ عمل پر گامزن رہنے کیلئے نیا جوش اور ولولہ لے کر اپنے اپنے شہر، گاؤں، اور قصبہ میں لوٹتے ہیں ۔

ہم اپنے سالانہ کنونشن کے ہشت پہلو فوائد سے عملی طور پر آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھرپور دعویٰ کرتے ہیں کہ سالانہ کنونشن کی اس حسین روایت کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ ہیں جنہوں نے تصوف کے مروجہ طریقہ ہائے کار کو یکسر تبدیل کرتے ہوئے انہیں نئے دور کے انسان کی ذہنی اور روحانی امنگوں کے عین مطابق بنایا۔ وگرنہ اس سے قبل عوام الناس پیر پرستی، قبر پرستی، زندہ اور مردہ بزرگوں سے مشکل کشائی اور حاجت روائی کی امیدیں لگانے جیسے غیر شرعی اور غیر فطری معاملات کو ہی تصوف سمجھتے تھے ۔ **(احمد رضا خان)**

درس قرآن

سید قطب شہیدؒ **ترجمہ:** مولانا ساجدالرحمٰن صدیقی

إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (190) الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (191) سورۃ آل عمران۔

ترجمہ: "بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں (بڑی) نشانیاں ہیں اہل عقل کیلئے، جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں کے بل لیٹے ہوئے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں (اور تسلیم کرتے ہیں) کہ اے ہمارے مالک! آپ نے یہ (کارخانہ حیات) کو بیکار پیدا نہیں فرمایا۔ پاک ہے تو (ہر عیب سے) ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔"

عقلمند انسان جب زمین و آسمان کی پیدائش اور سورج اور چاند کی گردش اور سیاروں کے احوال، دن رات کی آمد و رفت کے مضبوط اور مربوط نظام میں غور کرتا ہے کہ کس طرح سب سیارے ایک معین رفتار اور قانون کے تحت گردش کر رہے ہیں کبھی لمحہ بھر کا فرق نہیں پڑتا تو اسے یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ کائنات ایک ہی قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ان آیات میں اہل علم کو فکر و نظر کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ کارخانہ قدرت میں جتنا غور و فکر کریں گے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی حکمتِ کاملہ پر ایمان پختہ ہوگا اور یہ پختگی تقلیدی نہیں ہوگی بلکہ تحقیقی ہوگی۔ ساری کائنات انسان کے سامنے ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہے اس میں ہر طرف ایمان کے دلائل اور اسکی نشانیاں بکھری ہوئی ہیں جو برملا بتاتی ہیں کہ یہ دنیا فانی ہے، اسکے بعد آخرت آنی ہے

جس میں جزا ءاور حساب کا مرحلہ درپیش ہوگا۔اور کائنات میں موجود ان نشانیوں کا علم،ان آیات کا احساس اور اس حکمت (دانائی) کا ادراک،ان اولوالالباب کو ہوتا ہے جو کائنات سے آنکھیں بند کر کے نہیں گزرتے بلکہ ہر مقام سے گزرتے ہوئے آیات فی الآفاق میں غور و فکر کرتے ہیں۔کیونکہ اس بسیط کائنات اور فطرت انسانی میں ایک ربط و تعلق اور باہمی تفہیم موجود ہے،جس کے ذریعے عقلمند سمجھ جاتے ہیں کہ کائنات خود اپنے خالق کی نشاندہی کر رہی ہے۔انسان،کائنات اور اللہ کا تصور اسلام کی بڑی اہم تعلیم ہے جسے قرآن اہل ایمان کے قلوب میں جاگزین کر دینا چاہتا ہے۔

اللہ کی نشانیاں

سلیم الفطرت انسان مظاہر فطرت سے ہم کلام ہوتا،اور کائنات رنگ و بو اور اسکے دلکش وجود سے اللہ کے وجود اور اسکے معبود برحق ہونے کی حقیقت اخذ کرتا ہے۔یہ ادراک کر لیتا ہے کہ یہ کائنات بے مقصد پیدا نہیں کی گئی۔اس طرح قرآن کریم فطرت سلیمہ کو دعوت دیتا ہے کہ اس کائنات کا مشاہدہ کریں اور اس میں غور و فکر کریں۔جو عقل سلیم کے مالک ہیں وہ غور و فکر کرتے ہیں،آیات کونیہ سے ادراک بھی حاصل کرتے ہیں اور کائنات میں پنہاں نشانیوں سے اس حقیقت تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں کہ اس کائنات کا کوئی نہ کوئی مقصد وجود ہے اور اس کا کوئی خالق ہے اس طرح ان کے قلوب میں اور کائنات میں ایک ربط اور تعلق پیدا ہوتا ہے۔

مناظر کائنات کے دیکھنے سے نفوس میں نفسیاتی حرکت پیدا ہوتی ہے اور دانشمند گردش لیل و نہار سے متاثر ہوتے ہیں۔اس کائنات میں کیسا عظیم روح پرور پیغام موجود ہے کہ کائنات کا کوئی خالق ہے اور یہ با مقصد تخلیق ہے۔یہ حق کے ساتھ قائم ہے اور حق ہی اس میں جاری و ساری ہے۔نہ تو یہ عدم محض ہے اور نہ ایک بکھرا ہوا کارخانہ ہے اور نہ یہ اتفاقاً وجود میں آگئی ہے بلکہ اس کا وجود،اس کی ہر حرکت اور اس کا ہر مقصد حق کے ساتھ مربوط ہے اور اس میں کسی بھی جگہ باطل کی آمیزش نہیں ہے۔اگر اس عظیم الشان کارگاہ کا ایک پرزہ یا کوئی کارندہ اس مالک الملک

کی قدرت وتصرف سے باہر ہوتا تو کارخانہ عالم کا یہ مربوط نظام ہرگز قائم نہ رہ سکتا۔ کائنات رنگ وبو دیکھ کر مومن کا تعلق اللہ سے اور کائنات سے قائم ہوجاتا ہے۔ بعدازاں بندوں کا دل اللہ کی یاد اور اسکی عبادت کی جانب متوجہ ہوجاتا ہے اور اُٹھتے بیٹھتے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُس کا ذکر کسی وقت اور کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں، کھڑے لیٹے ہر حالت میں اپنے خالق کی یاد میں محو رہتے ہیں۔ اور جب وہ تخلیق کون ومکاں پر غور کرتے ہیں تو ان کا یہ غور انہیں عبادت الٰہی کی جانب مائل کردیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے اللہ کی آیات، اللہ کو یاد کرنے والے اور اسکی عبادت کرنے والے بندوں کے قلوب پر ہی منکشف ہوتی ہیں اور جو لوگ حیات دنیا کے ظاہری مظاہر (Phenomena) پر فریفتہ ہیں اور اللہ سے تعلق کے بغیر ہی انہوں نے کائنات کے اسرار تک رسائی حاصل کرلی ہے وہ دنیا کی تباہی اور حیات انسانی کی بربادی کا ذریعہ بن گئے ہیں۔

اُولوالالباب کی دُعا

اس کائنات کی ساخت اور اس کے مظاہر میں جو حق پوشیدہ ہے اس کا اولوالالباب کے نزدیک مفہوم یہی ہے کہ اس کائنات کی ایک تقدیر و تدبیر ہے۔ ایک حکمت وغایت ہے۔ انسانی زندگی عدل اور حق پر استوار ہے۔ لوگ جو بھی اعمال کریں اس کا انہیں حساب دینا ہے۔ یہ ایک منطقی ربط ہے، فطرت اس کی گواہی دیتی ہے اور عقل سلیم اس کی تائید کرتی ہے۔ ان میں شدید حساسیت پیدا ہوجاتی ہے۔ ان کے ذہن آتش جہنم کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں اور آخرت کی جوابدہی کے خوف سے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کیلئے عاجزی وخشیت سے متوجہ ہوتے ہیں۔ اس دُعا میں اولاً رسوائی کا خوف ہے کہ کہیں وہ رسوائی نہ برداشت کرنی پڑے جس کے اہل جہنم مستحق ہیں کہ یہ شرمندگی خود عذاب جہنم سے زیادہ سخت ہے اور کائنات میں غور کے بعد جدوجہد، قربانی اور عمل کیلئے تیار ہوجاتے ہیں اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں۔

حکمت

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

جن طریقوں سے حضور سرورِ کائنات ﷺ نے اپنے خاص خاص صحابیوں کو حکمت کی تعلیم دی وہ اس قدر سادہ، آسان اور سہل العمل ہیں جیسا کہ خود دینِ اسلام۔ نہ ان میں بھوک اور پیاس سے نفس کو ہلاک کرنا ہے، نہ متواتر روزے رکھنا یا فاقے کرنا، نہ ہندوؤں کی طرح ترکِ دنیا کر کے جنگلوں اور خانقاہوں میں گوشہ نشین ہونا، نہ صوف کے کپڑے پہننا یا ننگا رہنا، نہ بدن کے بعض اعضاء کو سکھالینا، نہ حبس دم کرنا یا نمازِ معکوس پڑھنا، یعنی الٹے لٹک کر عبادت کرنا وغیرہ وغیرہ باوجود اس کے یہ طریقے دوسری تمام قوموں کے طریقوں سے کہیں زیادہ موثر ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے برسوں کا راستہ مہینوں اور مہینوں کا سلوک دنوں میں طے ہوتا ہے اور وہ روحانی قوت اور دولتِ سرمدی حاصل ہوتی ہے جو دوسرے طریقوں سے کسی طرح بھی حاصل نہیں ہوسکتی، یعنی قرب اور مشاہدہ ذاتِ باری تعالیٰ۔ اس سے زیادہ اسلام کی فضیلت کا اور ثبوت کیا ہوسکتا ہے

طلبِ صادق

یہ ہے کہ طالب کے دل میں ایسی بے چینی ہو کہ نہ کھانے پینے میں لذت آئے نہ سونے میں نہ کسی اور شغل میں۔ ہر وقت یہ خواہش قلب و ذہن پر مسلط رہے کہ گوہرِ مقصود ہاتھ آئے اور کوئی ایسا استاد ملے جو حکمت سکھائے۔ یہ طلب وہبی ہوتی ہے لیکن بظاہر اس کے پیدا ہونے کے اسباب یہ ہوتے ہیں:۔

1۔ ایسے لوگوں کی صحبت جہاں اللہ تعالیٰ، رسول کریم ﷺ، اور بزرگوں کا ذکر رہتا ہو۔

2۔ بزرگوں کی کرامتوں کے حالات سننا۔

3۔ سیر و سلوک کی کتابیں پڑھنا۔

4۔کسی سچے ولی کی صحبت میسر آجانا۔

5۔کسی بزرگ کی کوئی کرامت خود دیکھنا۔

یہ چند باتیں جتنی زیادہ میسر آئیں گی اتنی ہی طلب زیادہ ہوگی۔

بیعت یا شاگردی

جب طلب پختہ ہوجائے تو ضرورت ہوتی ہے ایک ایسے بزرگ کی جو حکمت سکھائے، ایسے بزرگ پہلے زمانے میں بھی مشکل سے ملتے تھے آج کل تو بہت ہی کم یاب ہیں اور ایک ناتجربہ کار طالب کے لئے سچے اور جھوٹے کی تمیز کرنا تو بہت ہی مشکل ہے۔اس لئے ہم مرشد کے انتخاب کا طریقہ بتاتے ہیں۔

جب تم کسی بزرگ کا ذکر سنو تو نکتہ چینی،عیب جوئی یا آزمائش کے خیال سے نہیں بلکہ ارادت اور ادب کے ساتھ ان کے پاس جاؤ اور اکثر جاتے رہو اور یہ دیکھو کہ ان کی مجلس میں کس قسم کے لوگ رہتے ہیں ثقہ،سنجیدہ اور تعلیم یافتہ یا بازاری اور جاہل۔یہ بھی دیکھو کہ ان بزرگ کا اخلاق کیسا ہے، ہنس مکھ اور خوش مزاج یا درشت مزاج اور تندخو۔کیسی باتیں کرتے ہیں، پر از علم و حکمت یا محض روایات و حکایات ہی پر مدار تقریر ہے۔شرع کے پابند ہیں یا حدود شرع سے آزاد۔گالیاں تو نہیں بکتے،مریدوں سے سجدے تو نہیں کراتے۔یہ بھی دیکھو کہ ان کے مریدوں میں بھی کوئی صاحب حال اور صاحب دل ہے یا نہیں۔یہ بھی غور کرو کہ ان کی صحبت میں دل دنیاوی تفکرات اور خواہشات سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوجاتا اور ایک قسم کا سرور آمیز سکون حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔

الغرض ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد جب تمہیں معلوم ہوجائے کہ ان کی مجلس میں پاکیزہ لوگ آتے ہیں، وہ خود ہنس مکھ،خوش اخلاق اور عالم آدمی ہیں،شرع کے پابند ہیں، بافیض ہیں، ان کی صحبت میں خیالات دنیا سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوجاتے ہیں اور

تمہارا دل ان کی طرف مائل ہوگیا ہے تو باقاعدہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہو اور جب کچھ عرصہ بعد ذوق وشوق کا غلبہ ہو جائے، قلب خود بخود اللہ کو یاد کرنے لگے، برائیوں کو دل ناپسند کرے اور محاسن کی طرف رغبت پیدا ہو جائے تب بیعت ہو جاؤ۔ یاد رکھو کہ بزرگوں کی پرکھ ان کی کرامات سے ہرگز نہیں کرنی چاہئے کیونکہ کرامتیں یعنی خوارق عادات تو غیر اولیاء اللہ سے بھی اس قدر سرزد ہوتی ہیں کہ طالب دھوکا کھا جاتا ہے۔

بہت سے بزرگ بیعت نہیں کرتے بغیر بیعت ہی فیض پہنچاتے رہتے ہیں۔ ان سے پورا فیض اٹھانا چاہئے۔ لیکن سلوک طے کرنے کے لئے کسی نہ کسی کامل بزرگ سے بیعت ہونا ضروری ہے۔ اس طرح اس سلسلے کے جتنے بزرگ گزرے ہیں ان میں اکثر سے نسبت روحانی قائم ہو جاتی ہے جو روحانی ترقی کے لئے بہت ضروری ہے۔

مسلمانوں میں ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو بیعت یا پیری مریدی کا قائل ہی نہیں ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر وہ قرآن پر عمل کرتے ہیں اور اچھے مسلمان ہیں تو ضروری نہیں کہ وہ کسی کے مرید ہوں۔ بیعت فرض نہیں ہے، لیکن جو لوگ بیعت ہونا چاہتے ہیں اور اس کے لئے شرعی جواز کے متلاشی ہیں، ان کی معلومات کے لئے یہ عرض کر دینا مناسب ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کو مختلف اغراض ومقاصد کے لئے بیعت فرمایا ہے اور قرآن میں اس کا ذکر یوں آیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَا یِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَا یِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہُ فَسَیُؤْ تِیْہِ اَجْراً عَظِیْماً ہ(الفتح .10)

ترجمہ:۔ اے محمد ﷺ! جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے، جو اس عہد سے پھرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے، اور جو اس عہد کو پورا کرتا ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ بیعت جائز ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد وہ لوگ بھی بیعت لے سکتے ہیں جو بجا طور پر نائب رسول ﷺ ہیں۔ بیعت کیا ہے؟ یہ ایک عہد ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو کسی

بزرگ کو گواہ بنا کر یا رسم کے مطابق ہاتھ میں ہاتھ دے کر کیا جاتا ہے کہ میں فلاں فلاں معائب سے مجتنب رہوں گا اور فلاں فلاں محاسن پر عمل کروں گا، علاوہ ازیں قرآن میں آیا ہے۔

یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوااتَّقُوااللّٰہَ وابتغو اِلَیْہِ الْوسِیْلَتَہ۔(المائدہ۔35)

یعنی ''اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف کسی کو وسیلہ بناؤ'' مخالفین بیعت کا کہنا ہے کہ وسیلہ سے مراد یہاں پر قرآن ہے، لیکن وہ یہ غور نہیں کرتے کہ اس آیت کے پہلے ٹکڑے میں جو حکم ہے کہ تقویٰ اختیار کرو، اس کے معنی کیا ہیں؟ تقویٰ کے معنی بھی تو قرآن کی تعلیم پر کماحقہ عمل کرنے کے ہیں، اس لئے آیت کے دوسرے ٹکڑے میں پھر وہی معنی لینا ایک ایسی تکرار زائد ہے جو قرآن کی فصاحت کے خلاف ہے۔ ایسی بھونڈی تکرار تو کوئی معمولی ادیب بھی نہیں کرتا۔ اس لئے وسیلہ سے مراد سوائے پیر کامل کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ تیسری دلیل بیعت کے جواز میں یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد اب تک جو ہزارہا اولیاء کرام گزرے ہیں، ان سب نے بیعت کی اور بیعت لی ہے، مثلاً حضرت حسن بصریؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ حضرت صابر کلیریؒ، حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ، خواجہ باقی باللہؒ اور حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ وغیرہ۔ تو کیا یہ سب نعوذ باللہ غلط رو اور گمراہ تھے۔ یہی تو وہ بزرگ ہستیاں ہیں جنہوں نے چار دانگ عالم میں اسلام کا نور پھیلایا، لاکھوں آدمیوں کو بیعت کر کے ان کا اخلاق درست کیا اور ہزاروں کو ولی اللہ بنایا۔ کیا آج کوئی شخص یہ جسارت کر سکتا ہے کہ ان کی بزرگی اور صداقت پر انگلی اٹھائے۔

یہ بیعت یا بالفاظ عوام ''پیری مریدی'' کیا چیز ہے، مرید کس کو ہونا چاہئے اور کس لئے ہونا چاہئے۔ افسوس کہ فی زمانہ نماز روزے کی طرح پیری مریدی بھی ایک رسمی چیز رہ گئی ہے۔ بہت سے لوگ اس عقیدے سے بیعت ہوتے ہیں کہ خواہ عمر بھر برے کام کرتے رہیں قیامت کے دن

پیر صاحب کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے اور بخشے جائیں گے۔ یہ عقیدہ غلط ہے۔ ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ پیر صاحب کسی کو بھی نہ بخشوا سکیں گے، ان کو تو اپنی ہی پڑی ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت بالکل برحق ہے لیکن شفاعت کے بھروسہ پر جان بوجھ کر نیک اعمال نہ کرنا اور ساری عمر گناہوں اور بدکاری میں صرف کر دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ رسول اللہ ﷺ بھی تو انہی کی شفاعت کریں گے جو شفاعت کے اہل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ہماری جناب میں کوئی بھی کسی کی شفاعت نہ کر سکے گا مگر وہ جن کو ہم خود حکم دیں۔ ظاہر ہے کہ رسولوں اور علی الخصوص ہمارے رسول ﷺ سے بڑھ کر کون اس حکم الٰہی کا مستحق ہو سکتا ہے، اس لئے شفاعت کا عقیدہ رکھتے ہوئے بھی نیک اعمالی کو ہرگز ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہئے۔

اکثر لوگ دنیاوی برکتوں کے لئے مرید ہوتے ہیں، یہ بھی غلط ہے۔ ان لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ پیر صاحب نہ کسی کو دولت بخش سکتے ہیں، نہ اولاد عطا فرما سکتے ہیں، نہ کسی کی تقدیر بدل سکتے ہیں، نہ مقدمہ جتا سکتے ہیں، نہ آنے والی مصیبتوں سے بچا سکتے ہیں۔ سورہ الحدید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''کوئی مصیبت نہیں آتی جو اللہ تعالیٰ نے پہلے کتاب میں نہ لکھ دی ہو'' اب بتایئے کہ اللہ تعالیٰ کے لکھے کو پیر صاحب کس طرح بدل یا روک سکتے ہیں، ایسے عقیدے ہرگز نہیں رکھنے چاہئیں، یہ سب شرک ہیں۔ سورہ الجن میں اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ سے خطاب فرماتے ہیں ''کہہ دیجئے کہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے تمہارا برا بھلا'' اب غور فرمایئے جب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں بھی کسی کا برا بھلا نہیں تو پیر صاحب بیچارے کس شمار میں ہیں۔ مسلمانو! یاد رکھو، اور خوب یاد رکھو کہ تمہاری انفرادی اور قومی تباہی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تم نے قرآن کے خلاف عقیدے گھڑ لئے ہیں اور ان پر قائم ہو کر قرآن اور اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ آج تم قرآن اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آؤ کل تم کو پھر وہی عزت حاصل ہو جائے گی جو قرون اولیٰ میں تھی۔

اکثر لوگ اس خیال سے بیعت ہوتے ہیں کہ جب بزرگ بن جائیں گے تو عیش کریں گے۔ مریدوں کا حلقہ ہوگا، نذرانے ملیں گے، دولت دنیا کی افراط ہوگی یا یہ کہ مٹی کو پھونک مار کر

سونا بنالیں گے،موت اور زندگی پر اختیار حاصل ہو جائے گا اور عزت ہوگی وغیرہ وغیرہ۔تو ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ فقر اور ولایت تو محض عبودیت اور بندگی ہے کبریائی نہیں ہے اور بزرگی کے ذریعہ حصول مراتب و دولت کا خیال تو محض دنیا داری ہے خدا کی محبت نہیں ہے،ایسے لوگوں کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔

آج کل خاندانی اور وراثتی پیری مریدی بھی عام ہے،یعنی کسی شخص کے باپ دادا اگر کسی بزرگ سے بیعت ہوئے تھے تو وہ شخص ان بزرگ کے بیٹے یا پوتے کا ضرور مرید ہوگا اور اس کی اولاد اس کے پیر صاحب کی اولاد سے بیعت ہوگی اور ہمیشہ یونہی ہوتا رہے گا۔یہ طریقہ بھی پیری مریدی کا نہایت ہی غلط اور تباہی پھیلانے والا ہے۔ہوتا یوں ہے کہ کبھی کوئی بزرگ اور ولی اللہ کسی خاندان میں پیدا ہوئے اور اپنی بزرگی کی وجہ سے مشہور ہوگئے،ان کے بعد ان کے بیٹے اور پوتے گدی نشین ہوئے اور یہ گدی اسی طرح وراثتاً آئندہ نسلوں میں منتقل ہوتی رہی اور لوگ بھی اسی طرح وراثتاً مرید ہوتے چلے گئے۔ایسے گدی نشین اور وراثتی پیروں میں شاذ و نادر ہی کوئی بزرگ ہو تو ہو ورنہ عام طور پر تو یہ پیر محض دنیا دار اور طریقت و حقیقت سے بالکل ہی نابلد ہوتے ہیں۔خدمت کے لئے بے شمار مرید اور خرچ کرنے کے لئے بے قیاس دولت ان کے پاس موجود ہوتی ہے۔صرف عیش و عشرت ان کا کام ہوتا ہے اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

بہت سے پیر عملیات کے زور پر پیری مریدی کرتے ہیں،وہ سلوک و طریقت کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہوتے۔عوام کی جہالت کا یہ حال ہے کہ وہ تعویذ گنڈے کرنے والے عاملوں، نجومیوں،رمالوں،پامسٹوں اور حقیقی بزرگوں کے درمیان کوئی تمیز نہیں کرسکتے اور ہر ایک کو اللہ والا سمجھ کر ان کے مرید اور معتقد ہو جاتے ہیں۔تو اس قسم کی پیری مریدی نہ صرف بالکل عبث اور بیکار بلکہ نقصان دہ ہوتی ہے۔مرید ہونے کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان کے اخلاق کی اصلاح ہو،صحیح قسم کی عبادت کرنا آئے،ایمان کامل پیدا ہو،عالم روحانی کا علم،اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قسمت میں ہو تو رویت کا شرف جیتے جی حاصل ہو جائے۔

اِنسانیت کے نام

(قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی)

اے ابنِ آدم! تو اپنی زندگی کتنی بے فکری سے گزار رہا ہے۔ یہ وقت تو بہت بڑی دولت ہے لیکن تو اِسے انتہائی بے دردی کے ساتھ لٹائے چلا جا رہا ہے۔ تجھے تو معلوم ہی نہیں کہ تو کون ہے؟ تجھے کس نے پیدا کیا؟ یہ دنیا کس لئے بنائی گئی ہے اور تجھے یہاں کیوں بھیجا گیا ہے؟ تو بغیر سوچے سمجھے دوڑے چلا جا رہا ہے۔ اگر کسی مسافر سے پوچھا جائے کہ تو کون ہے کہاں سے آیا ہے، کہاں جا رہا ہے، کس شے کی جستجو ہے، کس سے ملنا ہے اور وہ ہر سوال کے جواب میں یہی کہے کہ مجھے معلوم نہیں تو کیا تم اِس کی عقل پر شک نہیں کرو گے؟

ذرا اپنی حالت پر غور کر لو۔ کیا یہ مثال تم پر صادق نہیں آتی۔ پھر یہ بات بھی تمہارے قلب و ذہن میں رہتی ہے کہ تم اشرف المخلوقات ہو۔ بلا شک و شبہ تمہاری تخلیق احسن تقویم یعنی بہترین صلاحیتوں اور برتر شعور کے ساتھ کی گئی ہے اور اِسی خصوصیت کی وجہ سے تمہیں صاحب ارادہ و اختیار بنایا گیا۔ خالق کائنات نے تمہیں دوسری مخلوقات سے اشرف پیدا کیا ہے تو یقیناً تمہارے ذمے کوئی ایسا اعلیٰ اور منفرد کام بھی لگایا ہوگا جو کسی دوسری مخلوق کے بس کا روگ نہیں تھا۔ لیکن اتنے بڑے اعزاز کا تمہیں احساس ہی نہیں ہے۔ تم تو کولہو کے بیل کی طرح بھوک پیاس، گرمی سردی اور جنسی جبلتوں کی تسکین کے چکر میں مگن صبح و شام کرتے ہوئے عمر تمام کر رہے ہو، تیرا یہ انداز فکر اور طرزِ حیات دوسرے حیوانوں سے کسی طرح بھی مختلف نہیں ہے۔ اتنی منفرد صلاحیتوں کا مالک ہوتے ہوئے حیوانی سطح پر آ گرنا تو شرف انسانیت کی تذلیل اور قابلِ تعزیر جرم ہے۔ تیرے بہترین حواس اور دل و دماغ اگر نفسانی خواہشات اور مادی لذات سے ماورا کچھ سوچ ہی نہ سکیں اور چاروں طرف بکھرے ہوئے حسنِ یار کے جلوؤں سے تو محروم رہ جائے تو یہ جینا کس کام کا! تیرے ازلی دشمن شیطان نے تجھے اللہ کی یاد سے یکسر غافل کر دیا ہے۔ اِس نے تجھے اپنے جال

میں اس طرح جکڑلیا ہے کہ تیری سوچیں اور صلاحیتیں تیرے پیٹ کی غلام بن کر رہ گئی ہیں۔تیری حالت پر افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے روٹی اس لئے دی تھی کہ تو اس کے استعمال سے قوت پرواز حاصل کر کے اللہ کی محبت کی منازل طے کرے لیکن تیری کج فہمی ،کوتاہ نظری اور کم ہمتی کی وجہ سے روٹی تجھے کھا گئی ہے۔تو حریم کبریا کی طرف پرواز کرنے والے طائر لاہوتی کی بجائے مٹی کا کیڑا بن کر رہ گیا ہے۔یہ حقیقت بڑی آسان فہم ہے کہ جو شے جس مقصد کیلئے بنائی جاتی ہے اس کو پورا کرنے اور کرتے رہنے ہی سے اِس کی قدر و قیمت قائم رہتی ہے۔اگر وہ شے مطلوبہ کام سرانجام دینے کے قابل نہ رہے تو اسے کاٹھ کباڑ میں پھینک کر کوڑیوں کے دام بیچ دیا جاتا ہے۔ پھلدار درخت جو پھل نہیں دیتے یا دینا بند کر دیتے ہیں انہیں کاٹ کر ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔دھات اور نائلون وغیرہ کی بنی ہوئی اشیاء کو توڑ پھوڑ کر ڈھلائی والی بھٹیوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔اگر تو نے اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا نہ کیا تو تیرے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کیا جائے گا۔

تمہارے خالق نے عالم ارواح میں ہی تم سے یہ عہد لے لیا کہ تم مجھے ہی اپنا ربّ مان کر زندگی میرے عطا کردہ آئین حیات کے تحت بسر کرو گے۔اِس طرح تم دنیا میں بھی مسرت اور مطمئن زندگی گزار سکو گے اور آخرت میں بھی میری رضا حاصل کر کے سرخرو ہو جاؤ گے۔ اللہ رحیم و کریم نے اپنی خصوصی رحمت سے انبیاء کی بعثت کا انتظام فرمایا تاکہ تمہیں تمہاری تخلیق کے مقصد سے آگاہ کر کے اللہ تعالیٰ کی بندگی کے صراط مستقیم پر چلنے اور اس کی محبت کی تکمیل کرنے کیلئے مطلوبہ ہدایت فراہم کریں تاکہ تم دنیا کی بھول بھلیوں ،نفس کی خواہشات اور شیطان کے مکرو فریب میں پھنس کر نہ رہ جاؤ۔لیکن افسوس ہے کہ انسانیت کے ان مخلص محسنوں اور حقیقی خادموں کا ہر دور میں ٹھٹھا اُڑایا گیا۔انہیں ستایا گیا بلکہ بعض کو موت کے گھاٹ ہی اُتا دیا گیا۔اللہ تعالیٰ کے اِن منتخب بندوں نے اولادِ آدم کو یہ دعوت دی کہ اللہ کو اپنا رب اور الٰہ مان کر اِس کی بندگی اور ہماری اطاعت کرو۔انہوں نے اہل ایمان کو جنت کی بشارت دی اور اس میں ملنے والی نعمتوں سے آگاہ کیا اور ابدی حقائق کو جھٹلا کر نافرمانی کی راہ اپنانے والوں کو جہنم کی سزا سے ڈرایا۔

لیکن تھوڑے لوگوں نے ہی اللہ کی دعوت کو قبول کر کے انبیاء کے اتباع کی سعادت حاصل کی۔ اکثر لوگوں نے تکبر کیا اور میثاقِ ازل کو فراموش کر کے اللہ اور یوم آخرت کے وجود سے انکار کر دیا اور ''مولا مرضی'' کی بجائے اپنی خواہشات اور ''من مرضی'' کی زندگی گزارنے کو ترجیح دی۔اے اولادِ آدم! آج بھی تمہاری اکثریت اِسی روش پر کاربند ہے۔حالانکہ اگر تم اپنے حواس کو صحیح طور پر استعمال کرو تو اِس کائنات کا ذرہ ذرہ اور پتا پتا خالقِ کائنات کے وجود پر گواہی دیتا ہوا محسوس ہوگا۔ تم اپنے وجود پر ہی غور کرلو کہ کس طرح تمہاری تخلیق پانی کی ایک بوند سے شروع کی گئی اور رحمِ مادر میں خلق کے بعد خلق کے کئی مراحل کے بعد تمہارا ناک نقشہ درست کیا گیا۔جسم کے اندرونی و بیرونی اعضاء کا حیرت انگیز نظام وجود میں لایا گیا انہیں ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کیا گیا۔کیا یہ سب کچھ بغیر کسی بنانے والے کے خود بخود بن گیا۔تمہارے ماں باپ کو خبر بھی نہ تھی کہ رحم کے اندھیروں کے اندر کیا کچھ ہورہا ہے۔تم اس وقت کیا تھے اور کہاں تھے۔اب تو تمہیں باتیں بنانا آ گئی ہیں اس لئے اپنی تخلیق کی کیفیات کو فراموش کر کے اللہ کے وجود کے بارے میں بحث کرتے ہو۔تمہارے رب نے سورج، چاند اور دن رات کو تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے۔تمہاری غذا کیلئے ہزار ہا اقسام کے پھل اور غلے پیدا فرمائے۔تمہارے استعمال کیلئے جانور پیدا کر رکھے ہیں۔جن کا دودھ پیتے، گوشت کھاتے اور ان کے بالوں، اون، ہڈیوں اور چمڑوں سے قسم قسم کے فائدے اُٹھاتے ہو۔اس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسا کر ایک خاص مقدار میں اِس کا ذخیرہ کر دیا ہے اور بارش کے ذریعے اس کی تقسیم کا حیرت انگیز نظام قائم کر رکھا ہے۔پانی جیسی عظیم نعمت جس پر حیات کا دارومدار ہے کا وجود ابھی تک کسی دوسرے سیارے میں دریافت نہیں ہوسکا۔تمہارے رب نے تمہیں عزت و اکرام سے نوازتے ہوئے تمہاری سواری کیلئے گدھے، گھوڑے، اُونٹ، خچر، کشتیاں، کاریں، بسیں، ریل گاڑیاں، ہوائی جہاز اور خلائی راکٹ بنا دیے تاکہ تم اپنے مہربان آقا کی نعمتوں پر اس کی حمد و ثناء کرو اور احسان شناس بندے بن کر اس کے حضور سربسجود ہو جاؤ۔تم نے کبھی آگ اور تمہاری زندگی میں جو اس کی اہمیت ہے اس پر غور کیا ہے۔

گھر کی تعمیر میں اینٹیں بننے، کچن میں کھانا پکانے، بجلی کے پاور ہاؤس چلنے، واٹر سپلائی کے پمپوں کے چلنے، سکوٹروں، کاروں اور ریل گاڑیوں کے دوڑنے ہوائی اور خلائی جہازوں کے اُڑنے اور بے شمار صنعتی فیکٹریوں کے چلنے کا دارومدار آگ پر ہی ہے۔ اِس کیلئے ایندھن خواہ لکڑی اور کوئلہ کی صورت میں ہو یا گیس اور تیل کی صورت میں ہو سب کا منبع درخت ہی ہیں جن کے پیدا کرنے میں تمہارا کوئی ہاتھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے تمہیں بار بار زمین میں پھیلی ہوئی خالق کائنات کی ان بے شمار آیات پر غور و تدبر کرنے کی ترغیب دی اور خود اپنے نفسوں کے اندر جھانک کر اور من میں غوطہ زن ہو کر حقائق حیات معلوم کرنے کی دعوت دی تاکہ تم اپنے رب کی معرفت حاصل کر کے حقیقی فوز و فلاح کا راز پا جاؤ اور تمہارے اندر سے سعادت ازلی کے سوتے پھوٹ پڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے روز الست تمہارے دل میں جو اپنی محبت کا بیج بو دیا تھا وہ پھوٹ نکلے اور چھپے کی یہ بیل پھولوں سے لد جائے اور خوشبو تمہارے انگ انگ میں سما جائے اور تمہاری روح وجد میں آ جائے۔ تمہارے اردگرد کتنے ہی خوش نصیب انسان موجود ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا آقا اور حکمران تسلیم کر کے عہد الست کی تجدید کر لی ہے۔ وہ حزب اللہ میں داخل ہو کر اللہ کے دیئے ہوئے نظام حیات کے مطابق مطمئن زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہر وقت اس کے فضل اور اس کی رضا کی جستجو میں لگے رہتے ہیں لیکن تو اپنی آنکھوں، کانوں اور اپنے دل و دماغ کی نعمتوں کو حقیقی مقصد کیلئے استعمال کرنے میں ناکام ہو گیا اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ کر سکا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تو حیوانوں کی مانند بلکہ اُن سے بھی گیا گزرا اور گمراہ قرار پایا کیونکہ حیوانات تو اپنے کمتر عقل و شعور کے باوصف اپنے خالق کو پہچانتے، اِس کی تسبیح بیان کرتے اور اس کے مقرر کردہ وظیفہ حیات کے عین مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ تجھے تو اللہ تعالیٰ نے بہترین صلاحیتوں اور شعور سے نواز کر صاحب اختیار بنایا۔ یہ ایک منفرد اعزاز تھا جو صرف تجھے عطا ہوا اور یہ تمہاری صلاحیتوں اور کردار کا امتحان تھا کہ تو ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے اس اختیار کو مثبت طریقہ سے استعمال کر کے اپنے خالق کی رضا حاصل کرتا ہے یا اس کے احکام سے سرکشی اور

بغاوت کر کے سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اے ابن آدم! تیری خصوصی حیثیت کی وجہ سے تیرے لئے جبر روا نہیں رکھا گیا بلکہ دعوت کا طریقہ جاری کیا گیا تا کہ تیری ظاہری بصارت، باطنی بصیرت اور انتخاب کی صلاحیت کا امتحان ہو جائے۔ پوری کائنات اللہ کی الوہیت کے سامنے سربسجود ہے کیا تو محض اس لئے اپنے خالق اور رحیم و کریم آقا کی نافرمانی کر رہا ہے کہ نباتات، جمادات کی طرح تجھے جبری تقدیر میں نہیں جکڑا گیا؟ کیا تو نے صرف اس لئے جرم و گناہ کی زندگی اپنا رکھی ہے کہ تجھے قانون شکنی کی صلاحیت حاصل ہے۔ یہ تو اختیار کا نہایت ہی گھٹیا اور ناروا استعمال ہے۔ آزادی تو بہت بھاری امانت اور عظیم ذمہ داری کا نام ہے۔ اے انسان اگر تو انبیاء کی دعوت قبول کر کے اپنے محبوب حقیقی اور جان و جہان کے مالک پر ایمان لے آئے اور اس کا بندہ بن کر زندگی بسر کرے تو وہ تمہارا مولا و مددگار اور حامی و ناصر بن کر تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے گا۔ اس کے فرشتے تم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے لگیں گے۔ اس کی رحمت سے تیرا سینہ روشن، دماغ منور اور دل مطمئن ہو جائے گا۔ لیکن اگر تو اپنے خالق کائنات کی آیات کو غور سے دیکھنے کی زحمت ہی نہ کرے اور اندھا رہنا ہی پسند کرے تو پھر تیرا رب تیری آنکھوں پر پردہ ڈال دیگا۔ جب تم اپنے کانوں سے حق کی آواز سننا ہی گوارا نہیں کرو گے تو پھر ان پر بھی مہر لگا دی جائے گی۔ اللہ دنیا میں بھی تمہاری سماعت اور بصارت کی صلاحیت سلب کر سکتا ہے لیکن قیامت کے دن ایسا ضرور ہو گا کہ تجھے اندھا، گونگا اور بہرہ اٹھایا جائے گا اور تو چوپایوں کی مانند منہ کے بل چلے گا۔ تم پریشان ہو کر اللہ سے فریاد کرو گے کہ میں تو دنیا میں بھلا چنگا تھا تو تجھے جواب دیا جائے گا کہ تو نے دنیا میں ان نعمتوں کی قدر نہ کی اور وہاں جا کر ہمیں بھول ہی گئے۔ آج ہماری رحمت نے تجھے فراموش کر دیا اور یہ نعمتیں تجھ سے چھین لی گئیں۔ تمہارے گلے میں طوق ڈال کر تمہیں زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ تمہاری اپنی بداعمالیوں کا صلہ ہو گا۔ اِس دن اللہ کے نیک بندے عرش الٰہی کے سایہ تلے مسرور و شادماں ہونگے۔ اِنکے چہرے تر و تازہ اور اللہ کی عبادت سے چمکتے ہوں گے۔ اِن کی

روحوں سے اللہ کی محبت کا نور پھوٹ پھوٹ کران کے آگے آگے چلے گا۔جنت کے فرشتے انہیں کامیاب زندگی گزارنے پر مبارکباد کہیں گے اور جنت میں خوش آمدید کہیں گے جہاں ان کو ایسی نعمتیں ملیں گی جو انسان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتیں۔سب سے بڑھ کرانہیں جو نعمت عطا ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا دیدار ہوگا اور وہ اس کی حمد وثناء میں مشغول رہیں گے۔

اے ابن آدم !اگر تو دنیا کی لذات میں ہی کھو کر رہ گیا اور اپنی ساری صلاحیتیں انہی کے حصول میں صرف کرڈالیں تو آنے والی زندگی میں تجھے بڑی شرمندگی اُٹھانا پڑے گی۔تو اپنے آقا سے نظریں نہ ملا سکے گا بلکہ اللہ تیری طرف دیکھے گا بھی نہیں۔تو سر جھکائے ہوئے التجا کرے گا کہ مجھے دوبارہ دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے تو میں صالح زندگی بسر کروں گا لیکن وہاں تیری شنوائی نہ ہوگی۔پھر تو پچھتائے گا کہ کاش میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی۔اس دن تجھے اپنے لنگوٹیے یار بھی بہت یاد آئیں گے جو آج تمہیں کھاؤ پیو اور موج اُڑاؤ کی تلقین کرتے ہیں اور کبھی بھولے سے بھی اللہ اور آخرت کی بات نہیں کرتے۔اِس دن تو دانتوں سے اپنے ہونٹ کاٹے گا کہ کاش میں نے ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔یہ اپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبے۔اس دن دنیا کے گرمجوش دوست تیرے دشمن بن جائیں گے۔وہاں صرف اہل ایمان کی دوستی قائم رہے گی کیونکہ ان کا باہمی تعلق دنیوی اغراض کیلئے نہیں بلکہ اللہ کی خاطر تھا۔ انسان پر سب سے زیادہ اور انگنت احسان اللہ تعالیٰ کے ہیں جو انسان اللہ کا وفادار نہیں بنتا وہ بھلا اپنے جیسے انسانوں سے کیسے وفا کریگا۔ اکٹھے مل کر وارداتیں کرنے والے مجرموں کے گروہ جب پکڑے جاتے ہیں تو دنیا کی عدالتوں میں ہی ایک دوسرے کے خلاف ہو جاتے ہیں اور خود وعدہ معاف گواہ بن کر اپنے جانی دوستوں کو پھانسی کے پھندوں پر لٹکوا دیتے ہیں۔اللہ کی عدالت میں تو انسان اپنے سگے بھائیوں سے اپنے ماں باپ سے، اپنی بیوی اور اولاد سے دور بھاگے گا کہ ان کی خطاؤں میں کہیں میں بھی گرفت میں نہ آ جاؤں۔لیکن اے غافل انسان تو اس دنیا میں انہی رشتوں کی خاطر شرف انسانیت کو نیلام کر کے اپنے خالق کی کیسی کیسی نافرمانیاں کر کے اس کی

ناراضگی مول لیتا ہے۔ان کے مستقبل کی بہتری کیلئے تو گناہ پر گناہ کئے چلا جاتا ہے اور اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرلیتا ہے۔تیرے اس جمع کئے ہوئے مال سے موج یا اڑائیں گے اور سزا تو بھگتے گا۔ جب تو مرے گا تو تمہارے وہم وگمان کے گھڑے ہوئے یہ بت تمہاری دولت سے گُل چھرّے اُڑانے کے شوق سے کہیں گے کہ اسے جلدی جلدی دفن کرو۔کئی دولت کے دیوانے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسے جلد حاصل کرنے کی غرض سے اپنے ماں باپ کے قتل سے بھی نہیں چوکتے۔

اے انسان! اللہ کے ہاں پہنچ کر سارے پردے اُٹھ جائیں گے اور مال و دولت اور رشتہ و پیوند کی اصل حقیقت واضح ہو جائے گی اس وقت تو اپنی من مرضی کی گزاری ہوئی آزاد زندگی پر سخت پشیمان ہوگا اور رچا ہے گا کہ مال واولا داور دنیا کا سب کچھ فدیہ میں دے کر کسی طرح میری جان چھوٹ جائے لیکن وہاں سے واپسی ناممکن ہوگی اور تجھے کہا جائے گا کہ دنیا کی زندگی میں تجھے کافی وقت دیا گیا تھا اگر تمہیں سمجھنا ہوتا تو سمجھ جاتا۔اب جزا وسزا کا دن آن پہنچا اب ہر کوئی اپنے اعمال کا بدلہ پائے گا۔جن اللہ کے بندوں کو تو اپنے سے کمتر سمجھ کر ان کو خشک ملا، وہمی اور جنونی کا نام دے کر ان کی ہنسی اڑاتا ہے انہیں اللہ کے ہاں اس دن عزت دی جائے گی اور مسکین مومنین سب سے پہلے جنت میں داخل ہونگے اس دن تمہاری کج فہمی، کم عقلی اور بدبختی کی ہنسی اُڑائی جائے گی۔

اے ابن آدم! تو اپنی خام عقلی کی بنا پر حیات ارضی کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے حالانکہ یہ تو تیری خودی یعنی جوہر انسانیت کیلئے ایک تربیت گاہ ہے تاکہ تو اللہ کی پیدا کی گئی چیزوں اور قوتوں کو تسخیر کر کے اس کی معرفت اور قرب و رضا میں کمال حاصل کر سکے۔زندگانی کی مثال تو سیپ کی طرح ہے جس میں انسانی خودی ابرِ نیساں کے قطرے کی طرح اس لئے داخل ہوتی ہے کہ اس میں کچھ عرصہ قیام کر کے موتی بن جائے۔لیکن تو اس تربیت گاہ کی دلفریبیوں کی وجہ سے مال واولاد کی محبت میں گرفتار ہو کر اپنے حقیقی مالک ومحبوب اور اصلی وطن کو ہی بھول گیا۔اللہ تعالیٰ اپنی آخری کتاب میں تنبیہہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آ سکے۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ فریب دینے والا شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں کسی طرح کا فریب دے''۔ (لقمان۔33)

اے ابن آدم! اللہ تعالیٰ اور حیات آخرت پر ایمان ہی تیری حقیقی کامیابی کی بنیاد ہے۔ تو اللہ کی ہستی سے کیونکر انکار کرتا ہے۔ آج سے پچاس یا سو برس پہلے تو تیرا کوئی نام ونشان بھی نہ تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو تجھے عدم سے وجود میں لائی۔ اور تیری بندگی اور اطاعت صرف اسی کیلئے ہونی چاہیے۔ اللہ ہی تمہیں مارے گا اور وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔ دوبارہ زندہ ہونے میں تجھے تعجب کیوں ہوتا ہے۔ جب تو کچھ نہ تھا تو اس نے تجھے وجود عطا فرمایا تو کیا وہ ہستی اب تیری کھوکھری ہڈیوں اور مٹی میں تبدیل ہو جانے والے عناصر کو دوبارہ پہلی حالت میں لوٹا نہیں سکتی۔ پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے دوسری مرتبہ پیدا کرنا تو آسان تر ہے۔ تو اپنی ذات پر غور کر کہ اس وسیع وعریض کائنات کے مقابلے میں تیرے اس وجود کی حیثیت ہی کیا ہے۔ جس عظیم ہستی نے یہ کائنات پیدا فرمائی ہے اس کیلئے تمہیں دوبارہ زندگی عطا کرنا کونسا مشکل ہے موت کے بعد زندگی کے مظاہر ے تو تیرے سامنے مسلسل ہو رہے ہیں بشرطیکہ تیری آنکھوں میں ذوق جہاں بینی ہو۔ دن کے بعد رات ضرور ہے لیکن ہر رات کے بعد صبح طلوع ہوتی ہے یہ حیات وممات کا منظر نہیں تو اور کیا ہے۔ اسے چھوڑ تو خود ہر رات موت کی بہن ''نیند'' کی گود میں چلا جاتا ہے اور گذشتہ دن کی زندگی سے لاتعلق ہو جاتا ہے لیکن چند گھنٹوں کے بعد دوبارہ جی اُٹھتا ہے۔ تیرے سامنے نباتات کی ہر نوع اِسی مرحلے سے گزرتی ہے۔ زمین سے فصلیں اُگتی ہیں پھر جوان ہوتی اور آخر کار پک کر چورا چورا ہو کر زمین میں مل جاتی ہیں اور ان کا نام ونشان بھی دکھائی نہیں دیتا۔ زمین بھی خشک ہو کر مردہ دکھائی دینے لگتی ہے۔ ہر طرف دھول اُڑتی ہے اور ایسے لگتا ہے کہ اب یہاں کبھی بھی ہریالی نہیں ہو گی۔ لیکن جب خالق کائنات باران رحمت کا نزول فرماتا ہے

تو مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے اور خاک تلے سوئے ہوئے بیج زندہ ہو کر پھر اُگ پڑتے ہیں۔ تمہارا خالق تمہیں بھی موت کے بعد اِسی طرح زمین سے نکال کر کھڑا کریگا اور تم حیرت زدہ ہو جاؤ گے کہ اللہ اور اس کی رسولوں کا کہا ہوا تو سچ ثابت ہو گیا۔ مالک یوم الدین اس دن مجرمین کو مومنین سے الگ ہونے کا حکم دے کر فرمائے گا کہ کیا میں نے تم سے یہ عہد نہ لیا تھا کہ اپنے دشمن شیطان کی بندگی ہرگز نہ کرنا بلکہ میری ہی بندگی کرنا کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ اِس دن تمہاری عقل کی عیاری اور زبان کی طراری کسی کام نہ آ سکے گی کیونکہ تمہارے منہ پر مہر خاموشی لگا دی جائے گی اور یہ ہاتھ پاؤں جنہیں تم کج فہمی کی وجہ سے اپنا سمجھے ہوئے ہو سرکاری گواہ بن کر تمہارے خلاف مکمل شہادت دیں گے اور تو جہنم کی جس آگ کا انکار کرتا ہے اس میں ڈال دیا جائے گا۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ جو انسان بہترین صلاحیتیں دے کر پیدا کیا گیا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے علم کا وہ مرتبہ عطا فرمایا کہ فرشتے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ جسے اس کی منزل مقصود سے آشنا کرانے کیلئے کچھ عرصہ جنت میں رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجنے سے پہلے جس سے اپنی ربوبیت کا عہد لے لیا تا کہ زمین کی عارضی قیام گاہ میں آ کر اسے بھول نہ جائے۔ پھر اپنی مزید رحمت فرماتے ہوئے اس عہد کی یاد دہانی کرانے اور منزلِ مقصود کی طرف راہنمائی کرنے کیلئے اپنے مخلص اور منتخب بندے مبعوث کرنے کا انتظام فرمایا۔ بایں ہمہ اس کا یہ حسرت ناک انجام ہو کہ آخرت میں اسے زنجیروں میں جکڑ کر گرم پانی میں گھسیٹا جائے اور آگ کے شعلوں کے سپرد کر دیا جائے۔ پھر اس مجود ملائک کی ٹھکائی کے لئے لوہے کے ہتھوڑوں اور گرزوں سے مسلح تُرش رُو اور سخت گیر فرشتے کھڑے کر دئے جائیں۔

اے ابن آدم! تو احسان شناس بندہ بننے کی کوشش کرتا کہ تجھے ایمان کا نور نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ماں کے رحم میں تمہاری صورت بنائی تو کیا خوب بنائی تمہیں سننے دیکھنے اور سمجھنے سوچنے والا بنایا تا کہ تو حقیقت شناس بن سکے۔ تو نے دنیا میں جس شے کی بھی خواہش کی۔ تیرے پروردگار نے تجھے عطا کر دی۔ اگر تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہے تو ان کا گننا تو

در کنار تیری عقل تو ان سب کا احاطہ بھی نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے اتنی محبت کرتا ہے کہ ماں کی مثالی محبت بھی اس کے سامنے ہیچ ہے لیکن تو نے اس کی کماحقہ قدر نہ کی۔ اس نے اپنی ذات کیلئے رحمت لکھ رکھی ہے اور اس کے غضب پر اس کی رحمت کا غلبہ رہتا ہے۔ تیری لغزشوں اور کوتاہیوں کے باوجود وہ رحیم و ودود آقا اپنی نعمتوں میں کمی نہیں کرتا۔ اس کی وسیع مغفرت تجھے اپنی آغوش میں لینے کیلئے ہر آن تیار رہتی ہے بشرطیکہ تو اسے اپنا رب مان کر اپنے کئے پر شرمسار ہو جائے اور اس کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھام لے۔ اس منعم حقیقی نے اس دنیا میں جتنی نعمتیں تجھے دے رکھی ہیں اتنی کسی دوسری مخلوق کو نہیں دیں۔ اس کی ذات تو ہر شے سے غنی ہے۔ وہ تیری عبادت اور بغاوت دونوں سے بے نیاز ہے لیکن ایک بندہ ہونے کی حیثیت سے تیرا یہ فرض بنتا ہے کہ تو اس کی ربوبیت اور الوہیت میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے اور ان گنت نعمتیں عطا کرنے والے پروردگار کو اپنی محبت کا مرکز مان کر اس کے تمام احکام کو قبول کر کے سچا مسلم بن جائے۔ کوئی آقا اپنے غلام کی گستاخیوں اور نالائقیوں پر اگر اسے سزا دے تو یہ اس کا حق بنتا ہے لیکن اطاعت کرنے پر اسے انعام دینا ہرگز ضروری نہیں ہے۔ لیکن اپنے رحیم و کریم آقا کی وسیع رحمت اور بے پایاں محبت کا ذرا اندازہ کرو کہ اس نے اپنے اطاعت شعار بندوں کو نوازنے کیلئے نعمتوں سے بھرپور جنتیں تیار کر رکھی ہیں۔ یہ محض اس کا فضل ہے جو اپنی خوشنودی کے اظہار کیلئے اپنے بندوں پر فرمائے گا۔

اے ابن آدم! تیرا حقیقی محبوب و معبود محض اپنی رحمت کے سبب تیرے لئے کفر کی بجائے ایمان کو پسند فرماتا ہے۔ اس سے صرف تیری بھلائی مقصود ہے۔ تجھے تیرا رب بڑے ہی پیار سے اور محبت بھرے انداز سے خود بینی اور خدا بینی کی دعوت دے کر آخرت کے انجام سے آگاہ فرماتا ہے۔

''اے انسان تجھ کو اپنے کرم گستر رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا۔ وہی تو ہے جس نے تجھے پیدا کیا۔ تیرے اعضاء کو ٹھیک کیا اور (تیرے قامت کو) معتدل رکھا اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔ مگر تم لوگ جزا کو جھٹلاتے ہو حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں۔ عالی قدر لکھنے

والے، جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں بے شک نیکوکار نعمتوں کی بہشت میں ہونگے اور بدکردار لوگ دوزخ میں۔ جزا کے دن اس میں داخل ہونگے۔ اور اِس سے چھپ نہیں سکیں گے اور تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے۔ پھر تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے۔ جس روز کوئی کسی کا بھلا نہ کر سکے گا اور حکم اس روز صرف اللہ کا ہوگا''۔ (الانفطار۔ 6 تا 19)

اِنسانوں کو ان کے مقصودِ حیات سے آگاہ کرنے اور اس کے حصول کے طریقے تعلیم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے۔ اِن سب کی بعثت کا ایک ہی مقصد تھا کہ انہیں صراطِ مستقیم یعنی سیدھے اور روشن راستہ پر چلنے کی دعوت دی جائے تا کہ وہ دُنیا کی محبت کے پھندوں اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی کامل بندگی والے آئین پر عمل پیرا ہو کر فلاحِ دارین حاصل کر سکیں۔

ارشادات عالیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ ۔ اقتباس از تعمیر ملت

تمام عبادات پر قرآن و احادیث کے مطابق سختی سے پابند رہو، خصوصاً نماز ایسی پڑھو جس میں شروع سے آخر تک عجز و انکساری، خشوع و خضوع اور اللہ کی یاد برابر قائم رہے، مگر یہ بات صرف اسی حالت میں حاصل ہو سکتی ہے جب کہ تم چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اللہ کو یاد رکھو۔ یاد رکھو کہ جو خیالات دماغ میں ہر وقت بھرے رہتے ہیں، تنہائی اور ارتکازِ خیال کے وقت وہی بار بار ابھرتے ہیں۔ پس جو لوگ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں گے، نماز میں بھی ان کو اللہ تعالیٰ ہی یاد آئے گا اور یہی وہ نماز ہے جو اخلاق کو سدھارتی ہے اور برائیوں سے بچاتی ہے۔

باباجی قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کا مکتوب بنام فہد محمود

مورخہ 13-11-2006

قرآن تو ہماری زندگیوں میں انقلاب پیدا کرنے والی کتاب ہے اسی میں ہدایت ،نور اور رحمت ہے اس لئے ہم سبھی بھائیوں کو یہ تلقین کرتے رہتے ہیں کہ نماز اور ذکر کے ساتھ ساتھ قرآن کی تلاوت روزانہ معہ ترجمہ کریں تا کہ ہمارے عقائد اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بن جائیں ۔قبلہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ نے چراغ راہ میں تحریر فرمایا ہے کہ میں قرآن کریم کی تعلیم سے ایک حرف بھی ادھر اُدھر نہیں گیا ۔اگر آپ کو کوئی ایسی بات نظر آئے تو مجھے بتا دیں میں بخوشی اپنی تعلیم میں ترمیم کردونگا ۔اگر آپ سلسلہ توحیدیہ کے بیعت نامہ پر ہی غور فرمائیں تو اس کی ایک ایک شق قرآن کی تعلیم کا جوہر ہے اور اسلام کی تعلیم کا خلاصہ ہے یہی صراط مستقیم ہے اور اللہ کی رضا اور جنت کا راستہ ہے ۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں ایسا کامل مرشد مل جائے اور وہ اس کی تعلیم پر دل و جان سے عمل پیرا ہو کر دنیا اور روحانیت کے اعلیٰ مراتب حاصل کر لیتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ سب بھائیوں کو خلوص اور لگن کے ساتھ سلسلہ کی تعلیم پر عمل کی توفیق سے نوازے تا کہ وہ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ بگڑے ہوئے معاشرے کی بھی اصلاح کر سکیں ۔اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی محبت اور اس کی مخلوق کی خدمت والی تعلیم کو ہر طرف فروغ ہو اور پوری دنیا میں رواداری ،خدمت ،عدل و انصاف اور امن و امان کی فضا قائم ہو جائے ۔آمین ۔

نماز اور اللہ کا کثرت کے ساتھ ذکر ہی وہ نعمت ہے جس سے انسان کا دل صاف ہوتا ہے اس کا تعلق اللہ سے قائم ہوتا ہے اس کے ساتھ محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ آہستہ آہستہ اللہ کے اولیاء مقربین میں شامل کر لیا جاتا ہے اس لئے اگر ذکر رہ گیا ،نماز چھوڑ دی یا اس میں سستی ہوگئی تو سارا علم بیکار گیا ۔ذکر میں سستی کے لئے کوئی بہانہ قابل قبول نہیں ہوتا جس طرح کام کی زیادتی اور انتہائی مشغولیت کے باوجود انسان جسم کی غذا یعنی روٹی سے غافل نہیں ہوتا اسی طرح روح کی غذا یعنی ذکر اگر رہ گیا تو پھر خسارہ ہے ۔

وقت زندگی ھے

(ڈاکٹر حسن صہیب مراد)

وقت فوری ضائع ہونے والی ایسی چیز ہے جسے نہ چھوا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے کسی طریقے سے ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ برف کی طرح ہے کہ اگر آپ استعمال نہ کریں او رہا ہر رہنے دیں تو پگھل جائے گی۔ وقت کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ اسے آپ پیشگی استعمال نہیں کر سکتے اور نہ ہی پیشگی ضائع کر سکتے ہیں۔ بہر حال آپ گزرے ہوئے لمحات کو پکڑ نہیں سکتے۔ وقت تسلسل کے ساتھ آ رہا ہے اور جا رہا ہے۔ اس طرح وقت کو اپنے تسلسل سے نہیں روکا جا سکتا۔

وقت پر غور و فکر ہر انسان کے بس میں ہے۔ گردش لیل و نہار، آئینہ ایام، اور تماشائے دنیا میں انسان مشاہدے، تجربے کے علاوہ ایک سرگرم رکن کی حیثیت سے اثر لیتا ہے اور ڈالتا ہے۔ روزمرہ کے واقعات وقت کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وقت ایک ڈرانے والی اور جھنجھوڑنے والی شے ہے۔ وقت سراب کی طرح نظر آتا ہے۔ انسان لمحات کی تلاش میں، گزشتہ اوقات کی یادمیں، اور توقعات کے پورا ہونے میں اور تیزی سے گزرتے ہوئے وقت کو کسی کام سے بھرنے کے بارے میں سوچتے سوچتے گزر جاتا ہے۔ یہ ایسا جام ہے جو غافل کو دھوکے میں رکھتا ہے اور سوتے ہوئے کو اور مدہوش کر دیتا ہے۔

وقت مومن کیلئے نعمت ہوتا ہے۔ ایمان، گزر جانے والے وقت کو محو نہیں ہونے دیتا بلکہ اس کو ہمیشہ کیلئے امر بنا دیتا ہے۔ ایمان وقت کے انتظار سے بچاتا ہے، قوتِ عمل کو بروئے کار لانے کا داعیہ فراہم کرتا ہے۔ ہر لمحہ، ہر لحظہ، ہر آن ہمیشہ کی زندگی کا نیا باب کھول دیتا ہے۔ اللہ کی نصرت سے وقت سکڑتا اور پھیلتا ہے۔ کام آسان ہو جاتے ہیں، راہیں کھل جاتی ہیں۔ جو زندگی پلک جھپکتے گزر جاتی ہے وہ ابدی و لازوال نعمتوں کی حقیر سی قیمت ٹھہرتی ہے۔ ایسی زندگی آہ!

کاش! اور انتظار کی صعوبت سے نا آشنا رہتی ہے۔وقت اس کی مٹھی میں بند رہتا ہے۔ جو وقت کے شکاری ہوتے ہیں وہ اسے سرنگوں کر لیتے ہیں۔

وقت اللہ تعالیٰ کی ایسی تخلیق ہے جو دیگر مادی تخلیقات سے قبل تخلیق ہوا۔اس لئے وقت پر غور وفکر انسان کو اللہ تعالیٰ سے قریب لے آتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہی معبود حقیقی ہے۔اس پر ایمان وقت کے معیار پر انسانی زندگی اور تمام مادی اشیاء کے فانی ہونے اور اللہ تعالیٰ کے ابدی وجود کے واشگاف حقیقت کو دیکھ کر ہوجاتا ہے۔غیب پر رسائی وقت کے نظام پر غور کرنے سے ہوجاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات نظم وقت کی خالق ہے۔اور وہ خود تمام پہلوؤں سے اس وقت کے نظام سے ماوراء اور بالاتر ہے،اللہ زندہ اور جاوید،حی وقیوم ہے۔نظمِ وقت میں انتہائی درجے کی باقاعدگی کا پایا جانا ایک حیران کن عمل ہے۔کائنات کا پورا نظام ضابطے کے مطابق معمولات کی کل میں چلتا نظر آتا ہے۔کائنات میں نظم وقت کی موجودگی دراصل اللہ تعالیٰ کی فطرت کو ظاہر کرتی ہے۔اس کا اہتمام اہلِ ایمان سے مطلوب ہے۔یہ باقاعدگی اُس خود نظمی کو پروان چڑھاتی ہے جو اس کائنات کا خاصہ ہے۔

وقت ایک سیراب کی مانند ہے۔جب تک انسان دور سے آنے والے وقت کو دیکھ رہا ہوتا ہے،اس کو بہت حسین لگ رہا ہوتا ہے۔حال میں رہ کر مستقبل اچھا لگتا ہے۔مستقبل میں پہنچ کر وہ تاثر محو ہوجاتا ہے۔انسانی ذہن کل اور مستقبل کے پیرائے میں سوچ کر حال کو ترتیب دینے کی کوشش کرتا ہے۔اچھے مستقبل کی توقع حال میں قوتِ عمل فراہم کرتی ہے۔فکرِ آخرت سے بے نیازی، آخرت میں اچھے انجام کی ضمانت، دنیا اگر اچھی مل جاتی ہے تو آخرت بھی اچھی مل جائے گی۔اس طرح کے عقائد یہودیت ونصرانیت اور مادہ پرست تہذیب کا خاصہ رہے ہیں اس کا نتیجہ دنیا میں مزید مست ہوجانے کی شکل میں نکلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ " جنہوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے

دشتِ بے آب میں سراب کہ پیاسا اس کو پانی سمجھے ہوئے تھا"(سورہ النور (39:24)
وقت کے عارضی ہونے کی اس سے بڑی کیا مثال ہوسکتی ہے۔وقت جب بے پرواہ نظر آتا ہے تو اس لئے کہ وقت کے مالک نے ڈھیل دی ہے۔انسان سمجھ بیٹھا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہی ہوتا رہیگا۔وقت گزرنے کی کیفیت غیر یقینی مسلسل، یکسانیت اور بالخصوص خوش حالی کی صورت میں ختم ہوتی ہوئی لگتی ہے یہاں تک کہ اللہ کی پکڑ آجاتی ہے۔تاثرات پر مبنی وقت کی حالت پر صرف اور صرف ایمان ہی کے ذریعے یقینی کیفیت غالب ہوسکتی ہے۔جب انسان آخرت پر نگاہ جما کر دنیا گزارتا ہے تو اس دنیا کے گزرنے والے لمحات کو آخرت کے خالصتاً دائمی اور حقیقی لمحات کے حصول کیلئے استعمال کرتا ہے۔

وقت کا تاثر انسان کی حس اور شعور کی پیداوار بھی ہوتا ہے۔کیا وقت ہے! کا جواب جب گھڑی سے ملتا ہے تو ساتھ، کیسا وقت ہے! کا جواب بھی ذہن جوڑ دیتا ہے۔ایک صاحب ایمان کی روشنی میں وقت دیکھنا، اس کی منصوبہ بندی کرنا، اس کو گزارنا، یقیناً زیادہ معنی خیز ہوتا ہے۔

حضورﷺ نے فرمایا کہ کوئی صبح نہیں ہوتی، جب کہ دو فرشتے نہ پکاریں کہ اے ابنِ آدم ! میں ایک نیا دن ہوں اور تمہارے اعمال پر گواہ ہوں۔پس مجھ سے زیادہ فائدہ اُٹھاؤ کیونکہ اب روزِ قیامت سے قبل نہیں پلٹوں گا۔گویا وقت ایک عظیم نعمت ہے جو دوبارہ نہیں ملے گی۔دولت صحت اور دوسری اشیاء سے محروم ہونے کے بعد دوبارہ حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن وقت کو نہیں...
یہ حدیث وقت کی منصوبہ بندی کی دعوت دیتی ہے۔اس منصوبہ بندی کا مقصد زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانا ہے۔یہ فائدہ کم وقت میں زیادہ کام کرنے ہی سے نہیں بلکہ صحیح وقت پر صحیح کام اور زیادہ دیرپا فائدے والے کام کرنے سے ممکن ہے۔اگر انسان اپنی زندگی کے ہر دن کو آخری دن سمجھے اور ہر لمحہ اپنے اعمال کی جواب دہی کے احساس سے گزارے تو بہت سارے کام اس احساس کے باعث قوتِ عمل پیدا ہونے کی وجہ سے پورے ہوجائیں گے۔ہر انسان کے پاس جو زندگی ہے وہ آج کی زندگی ہے۔ہر دن کو ایک نیا دن سمجھ کر شروع کرنا چاہیے ہر روز ایک نیا یونٹ ہے

ایک نئی زندگی ہے۔ایک قیمتی ہتھیار ہے۔وقت کے ساتھ صحیح سلوک وقت کے دھاروں سے بےتعلق نہیں بلکہ مقصد میں نوعیت کا ضبط وعمل ہے۔وقت ایک موقع لیکر آتا ہے اس موقع کو کسی کام کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دونعمتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ایک صحت، دوسرے فارغ البالی۔(حدیث) جو کام حالت صحت اورفرصت کی صورت میں ہوسکتے ہیں کوئی اورصورت میں نہیں۔ایک اورحدیث پاک میں حضورﷺ نے فرمایا کہ اگر بندہ پیدائش کے وقت سےلیکر بوڑھا ہونے تک،اللہ کی اطاعت میں اپنے چہرے کے بل گراپڑا ہوتو اسے قیامت کے روزحقیر سمجھے گااورچاہے گا کہ اسے دنیا میں لوٹا دیا جائے تا کہ اجروثواب میں اضافہ کرے۔(مسند احمد،رواہ محمد بن عمیرہ)

گزرا ہواوقت واپس نہیں آسکتا ہے۔لیکن گزرے ہوئے وقت میں کیے گئے برے اعمال کو نیک اعمال سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔اسلام میں جہاں تزکیے کی تعلیم دی گئی ہے تا کہ حال اورمستقبل کی اصلاح ہوسکے وہیں توبہ اوراستغفار کے ذریعے انسان اپنے ماضی کو درست کرسکتا ہے۔جو بوجھ لدا ہوا ہواس کو اتارپھینک سکتا ہے۔اسی طرح اسلام نے گزرے ہوئے وقت کو حال میں گرفت میں لیکر تبدیل کرنے کا راستہ بتایا ہے۔جب بھی انسان کو یہ احساس ہو کہ یہ کام غلط ہوا تھا وہ واپس پلٹ سکتا ہے، اپنی اصلاح کرسکتا ہے۔توبہ واستغفار کے ذریعے انسان اپنی پوری زندگی نئے سرے سے شروع کرسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمت پرتوکل اوراس کی رضا پر قناعت کے ذریعے آئندہ آنے والے وقت کو ماضی سے بہتر بنا سکتا ہے۔ماضی ہمیشہ کے لئے ان مٹ نہیں ہے بلکہ بندے کی توجہ کا متلاشی ہے۔جب بھی بندہ اپنا محاسبہ کرے اورماضی کو دھونا چاہے تو وہ اس کیلئے ممکن ہے۔ایک نیا انسان کسی وقت بھی ابھر سکتا ہے۔انسان اپنی زندگی کو ماضی کے برے اعمال کے شکنجے سے نکال کرازسرِنوترتیب دے سکتا ہے۔ماضی کو حال میں تبدیل کرنے کی جوقوت توبہ واستغفاراورتزکیے میں موجود ہے، انسان کے لئے وقت کے سلسلے میں سب سے بڑی نعمت ہے۔

امّاں بھائی کب مرے گا!

(قیصر محمود۔لاہور)

عرصہ ہوا ایک ترک افسانہ پڑھا تھا یہ دراصل میاں ،بیوی اور تین بچوں پر مشتمل گھرانے کی کہانی تھی جو جیسے تیسے زندگی کو گھسیٹ رہا تھا جو جمع پونجی تھی وہ گھر کے سربراہ کے علاج معالجے پر لگ چکی تھی ،مگر وہ اب بھی چارپائی سے لگا ہوا تھا۔آخر اسی حالت میں وہ ایک دن بچوں کو یتیم کر گیا۔رواج کے مطابق تین روز تک پڑوس سے کھانا آتا رہا، چوتھے روز بھی وہ مصیبت کا مارا گھرانہ کھانے کا منتظر رہا مگر لوگ اپنے اپنے کام دھندوں میں لگ چکے تھے،کسی نے بھی اس گھر کی طرف توجہ نہ دی۔بچے بار بار باہر نکل کر سامنے والے سفید مکان کی چمنی سے نکلنے والے دھوئیں کو دیکھتے۔وہ سمجھ رہے تھے کہ ان کے لئے کھانا تیار ہو رہا ہے۔جب بھی قدموں کی چاپ آتی انھیں لگتا کوئی کھانے کی تھالی اُٹھائے آرہا ہے مگر کسی نے ان کے دروازے پر دستک نہ دی۔

ماں تو پھر ماں ہوتی ہے،اس نے گھر سے کچھ روٹی کے سوکھے ٹکڑے ڈھونڈ نکالے، ان ٹکڑوں سے بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دیا۔اگلے روز پھر بھوک سامنے کھڑی تھی۔گھر میں تھا ہی کیا جسے بیچا جاتا ،پھر بھی کافی دیر کی "تلاش" کے بعد دو چار چیزیں نکل آئیں جنہیں کباڑیے کو فروخت کر کے دو چار وقت کے کھانے کا انتظام ہو گیا۔جب یہ پیسے بھی ختم ہو گئے تو پھر جان کے لالے پڑ گئے۔بھوک سے نڈھال بچوں کا چہرہ ماں سے دیکھا نہ گیا۔ساتویں روز بیوہ ماں خود کو بڑی سی چادر میں لپیٹ کر محلے کی پرچون کی دوکان پر جا کھڑی ہوئی ،دکاندار دوسرے گاہکوں سے فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوا، خاتون نے ادھار پر کچھ راشن مانگا تو دوکاندار نے نہ صرف صاف انکار کر دیا بلکہ دو چار باتیں بھی سنا دیں۔اسے خالی ہاتھ ہی گھر لوٹنا پڑا۔

ایک تو باپ کی جدائی کا صدمہ اور اوپر سے مسلسل فاقہ، آٹھ سالہ بیٹے کی ہمت

جواب دے گئی اور وہ بھوک میں مبتلا ہو کر چارپائی پر پڑ گیا۔ دوا دارو کہاں سے ہو، کھانے کو لقمہ نہیں تھا، چاروں گھر کے کونے میں دبکے پڑے تھے، ماں بخار سے آگ بنے بیٹے کے سر پر پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھی، جب کہ پانچ سالہ بہن اپنے ننھے منّے ہاتھوں سے بھائی کے پاؤں دبا رہی تھی اچانک وہ اٹھی، ماں کے پاس آئی اور کان سے منہ لگا کر بولی" اماں بھائی کب مرے گا! ماں کے دل پر گویا خنجر چل گیا، تڑپ کر اسے سینے سے لگالیا اور پوچھا، میری بچی تم یہ کیا کہہ رہی ہو؟ بچی معصومیت سے بولی" ہاں اماں! بھائی مرے گا تو کھانے آئیں گا ناں!

اگر ہم اپنے پڑوس میں نظر دوڑائیں تو اس طرح کی ایک چھوڑ کئی کہانیاں بکھری نظر آئیں گی۔ بہت معذرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں ہمارا معاشرہ مردہ پرست ہو چکا ہے زندگی میں کوئی نہیں پوچھتا مگر دم نکلتے وقت ہونٹوں پر دیسی گھی لگا دیا جاتا ہے تا کہ لوگ سمجھیں بڑے میاں دیسی گھی کھاتے مرے ہیں۔ غالباً منٹو نے لکھا ہے کہ ایک بستی میں کوئی بھوکا شخص آ گیا، لوگوں سے کچھ کھانے کو مانگتا رہا، مگر کسی نے کچھ نہیں دیا۔ بے چارہ رات کو ایک دکان کے باہر فٹ پاتھ پر پڑ گیا۔ صبح آ کر لوگوں نے دیکھا تو وہ مر چکا تھا۔ اب "اہل ایمان" کا جذبہ ایمانی بیدار ہوا، بازار میں چندہ کیا گیا اور مرحوم کے ایصال ثواب کیلئے دیگیں چڑھا دی گئیں۔ یہ منظر دیکھ کر ایک صاحب نے کہا " ظالمو! اب دیگیں چڑھا رہے ہو، اسے چند لقمے دے دیتے یہ یوں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہ مرتا"۔

پچھلے دنوں ایک تاجر نے ایک مزار پر دس لاکھ روپے مالیت کی چادر چڑھائی، جب کہ مزار کے سامنے کے محلے میں درجنوں ایسے بچے گھوم رہے ہوتے ہیں جنہوں نے قمیض پہنی ہوتی ہے تو شلوار ندارد اور شلوار ہے تو قمیض نہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ تم جو چادریں قبر پر چڑھاتے ہو اس کے زندہ لوگ زیادہ حقدار ہیں۔ ایک شخص رکے ہوئے بقایا جات کیلئے بیوی بچوں کے ساتھ مظاہرے کرتا رہا، حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی، تنگ آ کر اس نے خود سوزی کر لی تو دوسرے ہی روز ساری رقم ادا کر دی گئی۔ اسی طرح ایک صاحب کے مکان پر قبضہ

ہو گیا، بڑی بھاگ دوڑ کی مگر کوئی سننے کو تیار نہ ہوا، اسی دوران دفتر کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا، پولیس نے پھرتی دیکھائی اور دوسرے ہی دن مکان سے قبضہ ختم کروا دیا۔فائدہ؟ کیا اب اس مکان میں اسکا ہمزاد رہے گا؟ کیا ہمارا جذبہ ایمانی صرف مُردوں کیلئے رہ گیا ہے، اپنے اردگرد موجود زندوں کا خیال رکھیے!!!!!!

اللہ کا ذکر

ذکر کے معنی یاد کے ہیں ۔اللہ کے ذکر کا مطلب اللہ تعالیٰ کی یاد۔یہ یاد کوئی مصنوعی چیز نہیں، اللہ کی معرفت کا لازمی اور قدرتی نتیجہ ہے۔

جب کوئی آدمی اللہ کو اس کی عظمتوں اور قدرتوں کے ساتھ پاتا ہے تو اس کے اندر ایک روحانی ہلچل پیدا ہو جاتی ہے۔اس کے بعد اس کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ اس کو ہر وقت اللہ کی یاد آتی رہتی ہے یہ یاد کبھی دل کے اندر تڑپ بن کر ظاہر ہوتی ہے اور کبھی زبان سے حمد وشکر اور خشیت کے الفاظ کی صورت میں بے ساختہ نکل پڑتی ہے۔اسی کیفیت کو اللہ کی یاد بھی کہا جاتا ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان اس کائنات کے مربوط نظام دیکھتا ہے اور ان کے حسن اور معنویت کا ادراک کر کے حیران رہ جاتا ہے اور اسکے گردوپیش کی چیزیں بار بار اللہ کی طرف متوجہ کرتی ہیں اس کے اندر اللہ کی یاد کو جگاتی رہتی ہیں۔کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندہ اپنی حالت پر غور کرتا ہے تو اسکو غلطیوں اور کوتاہیوں کا احساس ہوتا ہے۔وہ بے تابانہ اپنے ربّ سے معافی مانگتا ہے۔کبھی آدمی اپنے عجز اور بے چارگی کو دریافت کرتا ہے اور بے اختیار پکار اُٹھتا ہے۔اے مالک!تو قادرِ مطلق ہے تو اپنی قدرت سے میرے گناہوں کو معاف فرما۔انسان کے دل میں ان ربّانی احساسات کا پیدا ہونا اور ان احساسات کا الفاظ کی صورت میں ڈھل جانا، اسی کا نام ذکر ہے۔

(مرسلہ: محمد قاسم)

ماں کیسی ہو !

(ازقلم:محترمہ عائشہ صاحبہ)

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ماں کی گود بچے کی درسگاہ ہے جہاں سے بچہ اپنے اندر اچھے یا برے جذبات واحساسات، اخلاق وکرداراور عادات واطوار کوسماتا ہے اور اخذ کرتا ہے ۔اس لئے ماں کی ذمہ داری ہے کہ اپنی اولاد کی تربیت وپرورش اس طرح کرے کہ اس کے رگ وریشہ میں دین داری کی روح پھونک دے، انہیں اخلاق وکردار کا حامل اور شریعت کا پابند بنائے اور جملہ افعال قبیحہ واعمال رذیلہ کی نفرت اس کے دل میں بٹھادے۔لیکن اس کیلئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ماں بذات خود تعلیم یافتہ دیندار، صاحب کرداراور پاکیزہ عادات واطوار، تمدن ومعاشرت کی مالکہ ہو، باحیاءاوراپنی عصمت وعفت کی حفاظت کرنے والی ہو، خوش مزاج ، ملنسار، مشفقہ اورنرم دل ہو۔سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کےنقش قدم پر چلنے والی ہو، اللہ اوراسکے رسول کی اطاعت کرنے والی ہو۔کیونکہ بچہ سب سے زیادہ ماں سے متاثر ہوتا ہے کیونکہ ماں ہی اس کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔چنانچہ ماں اگر نیک ہےتو اس کا بچہ بھی نیک ہوگا اور ماں اگر برے اخلاق وکردار کی خوگر ہےتو یہی چیزیں بچوں میں منتقل ہوجائیں گی۔جیسا کہ ایک شرعی عدالت نے ایک چور پر چوری کی سزا نافذ کرنے کا حکم دیا پھر جب سزا پر عمل درآمد کا وقت آیا تو چور نے کہا کہ میرا ہاتھ کاٹنے سے پہلے میری والدہ کی زبان کاٹو کیونکہ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے پڑوسی کے گھر کے انڈے کی چوری کی تھی تو میری والدہ نے مجھے ڈانٹ ڈپٹ کی بجائے چوری کرنے پر شاباش دی اور بولی کہ واہ! آج میرے بیٹے نے تو ایک بہت بڑا کام کیا اگر میری والدہ جرم پر شاباش دینے والی نہ ہوتی تو مارنے کے لئے ہاتھ اٹھانے کا جذبہ ہوتا تو میں چور نہ بنتا حکماء فرماتے ہیں کہ ماں ایام حمل میں جو اعمال وافعال کرتی ہے اس کے اثرات پیدا ہونے والے بچے پر بھی پڑتے ہیں۔لہذا ماں کو چاہیے کہ وہ دوران حمل خوب نیک کام کرے، فرائض

واجبات کے علاوہ مستحب، سنن اور نوافل کا بھی زیادہ سے زیادہ اہتمام کرے تا کہ پیدا ہونے والے بچے پر اس کا اثر پڑے اور وہ بھی نیکی کا خوگر بنے۔ پہلے کی خواتینِ اسلام خود بھی دیندار، عابدہ، زاہدہ، صابرہ شاکرہ ہوا کرتی تھیں اور بچوں کی تربیت رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے اصول وضوابط کی روشنی میں کیا کرتی تھیں اور انہیں روزِ اوّل ہی سے اسلام کا شیدائی اور وفادار بناتی تھیں۔

عقل منداور مہذب ماں وہی ہے جو اپنے بچوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالے اور بچپن ہی سے شریعت کی باتوں پر عمل کرنا سکھائے ،نماز و دیگر احکام شریعہ کو اس کے سامنے انجام دے، تا کہ وہ بچہ اسی کے جیسی حرکت و عمل کو قبول کرے۔ ہر ماں کو چاہیے کہ وہ اپنے بچے کو ابتدائی تعلیم اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرے اور سب سے پہلے اللہ و رسول کا نام جاری کرائے۔اللہ کی وحدانیت سے آگاہ کرے اور ہر طرح ان کے دل میں ایمانی قوت وطاقت، جوش وجذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرے اور جب بچے سات سال کے ہو جائیں تو نماز پڑھنے کا حکم دے اور اسی عمر سے ہی نماز پڑھنے کا عادی بنائے کیونکہ اس عمر میں جس چیز کی عادت پڑ جاتی ہے وہ دائمی طور پر باقی رہتی ہے۔ماں کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو بزرگوں کی توقیر و تعظیم، ادب واحترام کرنے کی تعلیم دے، جھوٹ، غصہ، جلن، گالی وگلوچ، چوری، بدمعاشی جیسی بری عادات سے روکے، نہ ان کو گالی سکھائے ، نہ ان کے سامنے کسی کو گالی دے، نہ ان کو گانا سکھائے اور نہ ان کے سامنے گانا گائے۔ بلکہ ہر اس برے فعل سے اجتناب کرے تا کہ بچے دیکھ کر، سن کر عادی نہ بن جائیں اور ان کی جائز خواہشات کی تکمیل کرے، بازار سے کوئی چیز آئے تو ان میں عدل ومساوات کے ساتھ تقسیم کر کے ان کو خوش کر دے۔

ماں کو چاہیے کہ اپنے بچوں کیلئے تعلیم یافتہ، مہذب، مؤدب شائستہ اخلاق مخلص اور نیک چلن ساتھیوں کا انتخاب کرے، بے حیاء، آوارہ، شریر، بداخلاق بدکردار، بدتمیز، بدسلیقہ اور برے بچوں کے قریب بھی نہ بھٹکنے دے۔ کیونکہ صحبت ضرور اپنا رنگ دکھاتی ہے ۔ جو بچہ جس کی

صحبت اختیار کریگا وہ خود بھی انہیں اخلاق و کردار، عادات کا مالک ہو گا۔

بچوں کی تعلیم و تربیت پر نظر رکھے اور حسن و خوبی اور سلیقہ مندی و احسن طریقہ سے ان کی پرورش کرے اور ان کی جائز خواہشات، تمناؤں اور دلچسپیوں پر توجہ دے اور ان کی عمر کے اعتبار سے جو تبدیلی رونما ہو رہی ہو اس کا بغور جائزہ لے، بچے کی بالیدگی، نشوونما کا باقاعدہ مطالعہ کرے اور ان کی روشنی میں بچوں کی تعلیم و تربیت کیلئے کوئی جامع لائحہ عمل تیار کرے، تا کہ بہترین نتائج حاصل ہو سکیں۔ جو ماں اپنی تمام تر ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے ان کو حتی الامکان نباہتی ہے تو وہ واقعی قابل تعریف اور لائق ستائش ہے اور ایسی ماں کے لئے دنیا اور آخرت میں آرام و انعام ہے۔

بچوں کی تربیت کے ضمن میں خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے فرامین

جہاں تک ممکن ہو بچے کو دیر تک ہرگز نہ رونے دو، بلکہ رونے کی وجہ معلوم کر کے فوراً اس کا ازالہ کر دو۔ بچہ بلا وجہ کبھی نہیں روتا یا بھوکا ہو گا یا پیٹ یا کان وغیرہ میں درد ہو گا، بچھونا گیلا ہو گا، کوئی چیز چبھتی ہو گی یا گرمی سردی لگ رہی ہو گی۔ اگر بچوں کو زیادہ دیر تک رونے دیا جائے تو یہی عادت رفتہ رفتہ ضد کی صورت اختیار کر لے گی اور پھر بڑی مشکل سے چھوٹے گی۔

بچوں کو ضد کی عادت سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ان کا کہنا فوراً پورا کر دیا جائے، اگر کوئی بات پوری نہ ہو سکے تو فوراً ان کا خیال دوسری طرف بدل دینا چاہئے۔ ان کو ہر وقت گود میں ہرگز نہ رکھو اور التزاماً ہر روز دو تین گھنٹے خالی کمرے میں اکیلا رکھا کرو تا کہ شروع ہی سے ان کو اپنے اوپر بھروسہ کرنے کی عادت ہو جائے۔

بچوں کو تربیت دینے کے لئے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ان کو کہنا ماننے کی عادت ڈالو اور اپنی مثال سے یہ سکھاؤ کہ ہر امر کے جواب میں ''جی ہاں'' ''بہت اچھا'' وغیرہ کہنے لگیں اور جو کچھ تم کو خوشی خوشی کر دیں۔ ان کو ابتداء ہی سے کام کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ جب وہ چلنے لگیں تو وقتاً فوقتاً ان سے کہو کہ فلاں چیز اٹھا لاؤ، فلاں چیز لے جاؤ، یہ چیزیں وہاں رکھ دو،

یہاں بیٹھو، اب لیٹ جاؤ وغیرہ وغیرہ۔ اس مشق سے دوہرا فائدہ ہوگا، ایک تو فرماں برداری کی عادت پڑے گی، دوسرے نادانستہ طور پر عمل کی قوت بڑھتی چلی جائے گی۔ بچوں کے سامنے کبھی ایسی باتیں نہ کرو جن سے یہ معلوم ہو کہ کام کرنا کوئی عیب یا مصیبت کی بات ہے، مثلاً اپنی غریبی کی باتیں نہ کرو اس سے احساس کمتری پیدا ہوتا ہے۔ ایسی باتیں کبھی نہ کرو کہ فلاں عورت کے ہاں اللہ نے نوکر دیئے ہیں، سب کام نوکر کرتے ہیں، ہماری قسمت دیکھئے سب پاپڑ خود ہی بیلنے پڑتے ہیں۔ یوں بھی نہ کہو کہ فلاں کے بچے تو موٹر کار میں سکول آتے جاتے ہیں، ہمارے بچوں کو دھوپ اور بارش میں بھی پیدل آنا جانا پڑتا ہے۔ یوں بھی نہ کہو کہ فلاں کا سودا سلف نوکر لاتے ہیں، ہمارے بچوں کو سودا بھی خود لانا پڑتا ہے بلکہ برخلاف اس کے ان سے خوب کام کراؤ، گھر کا بھی اور گھر سے باہر کا بھی اور کام کرنے میں ان کی خوب ہمت افزائی کرو۔ اگر کسی کے آباؤ اجداد امیر تھے تو ہرگز ان کا ذکر اس انداز سے نہ کرو جس سے احساس کمتری پیدا ہو۔

اصلاح کے خیال سے بچوں کو مارنا پیٹنا، گھڑکنا اور برا بھلا کہنا ہرگز جائز نہیں۔ اس سے بچے سدھرتے نہیں الٹے بے حیا اور ڈھیٹ ہو جاتے ہیں اور بڑے ہو کر غیرت نفسی اور خودداری سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ خوب یاد رکھو کہ اصلاح کے لئے سزا ملنے کا خوف خود سزا سے کہیں زیادہ مفید اور موثر ہوتا ہے، اکثر آدمی جیل خانے کے خیال سے بھی کانپ جاتے ہیں، جب ایک مرتبہ جیل ہو آتے ہیں تو دوبارہ جانے سے ذرا بھی نہیں گھبراتے، کیونکہ انہیں وہاں کی زندگی اور تکالیف کا علم ہو جاتا ہے اور لاعلمی کی وجہ سے پہلے جو ڈر دل میں بیٹھا ہوا تھا جاتا رہتا ہے۔ اکثر عادی مجرم جیل سے رہا ہوتے وقت یہ کہہ کر آتے ہیں کہ ہماری کوٹھڑی اور کسی کو نہ دینا ہم جلدی ہی واپس آجائیں گے۔ یہی حال بچوں کا ہے، مار کھانے سے پہلے ان کو اس تکلیف کا اندازہ نہیں ہوتا اور وہ بہت ڈرتے ہیں کہ اگر تھپڑ یا ڈنڈا لگا تو خدا جانے کیسی تکلیف ہوگی، لیکن جب ایک دفعہ مار کھا لیتے ہیں تو ان کی تکلیف کا اندازہ ہو جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ او ہو یہ تو کچھ بھی نہیں ہم تو بخوبی برداشت کر سکتے ہیں، چنانچہ جس قدر زیادہ پٹتے ہیں اسی قدر بے خوف اور نڈر ہو جاتے ہیں، یہاں تک

کہ مار پیٹ اور ڈانٹ ڈپٹ ان کے لیے بہت معمولی بات ہو جاتی ہے۔

بچوں کی اصلاح کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ اس قدر محبت اور شفقت کا برتاؤ کیا جائے کہ وہ تم سے مل جائیں اور تمہاری محبت کے عادی اور بھوکے ہو جائیں۔ ان کو ہمیشہ اپنے ساتھ کھلاؤ پلاؤ، اپنے ساتھ بازار اور سیر کو لے جاؤ اور ہر روز ایک آدھ چیز ایسی دو جو ان کی خاص پسند کی ہو، اگر وہ تمہارے اس سلوک کے عادی ہو گئے تو اصلاح میں کامیابی یقینی ہے اب اگر وہ کبھی تمہارا کہنا نہ مانیں تو صرف اتنا کرو کہ ان سے بات کرنے سے انکار کر دو، کہہ دو کہ جاؤ ہم نہیں بولتے تم نے فلاں کام نہیں کیا۔ تمہارا اتنا کہنا اور اتنی سی بے اعتنائی ہی ان کو ہزاروں دُرّوں کے برابر ہوگی۔ اس کا بھی اثر نہ ہو تو اپنے ساتھ کھانا وغیرہ کھلانے سے انکار کر دو، یا روزانہ جو پسند کی چیز دیتے ہو مت دو، اس طرح وہ ضرور تمہارا کہنا ماننے لگیں گے۔ اگر اس سے بھی زیادہ تر دید کی ضرورت ہو تو کچھ دیر کے لئے کونے میں دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا کر دو۔ اگر کبھی سزا دینا ہی ناگزیر ہو تو کولہوں یا پیٹھ پر مارو، چہرے پر کبھی نہ مارو۔

بچوں سے اس قسم کا فضول لاڈ پیار بھی نہ کیا جائے کہ وہ تمہارے سر پر چڑھ جائیں۔

چھوٹے بچوں کی خطاؤں اور فرو گذاشتوں پر غصہ کرنا اول درجے کی حماقت ہے۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں، حتیٰ کہ اگر وہ کوئی گناہ بھی کر گزریں، مثلاً جھوٹ بھی بولیں یا غیبت بھی کریں تب بھی قانون اخلاق اور خدا، سب کی نظر میں بے گناہ اور معصوم ہیں۔ <u>خطا دراصل ان کی ہے جن کو دیکھ کر ان معصوموں نے وہ عادت اختیار کی ہے۔</u>

بچے جب زیادہ جوش میں آ کر اچھلیں کودیں یا غل مچائیں تو ہرگز مت روکو اور کوئی بات ایسی نہ کرو جس سے ان کے حوصلے اور امنگیں پست ہو جائیں۔

بچوں سے ایسی باتیں ہرگز نہ کہو جن سے وہ اپنے آپ کو حقیر و ذلیل، غریب، بے چارہ بیکار سمجھنے لگیں۔ یاد رکھو بچے ہی قوم کا سرمایہ بلکہ خود قوم ہی ہیں، اس لئے ان کو خوش خلق، ہنس مکھ، بے باک، نڈر لیکن حق پرست، راست گو، راست کردار، تندرست، طاقتور، بہادر قوم اور

اسلام کا خادم اور جان نثار بنانا تم پر فرض ہے۔

بچوں کو سمجھانے کے لئے ہمیشہ صیغہ امر استعمال کرو، نہی ہرگز استعمال نہ کرو، مثلاً جھوٹ سے روکنا ہو تو یوں نہ کہو کہ "تم جھوٹ نہ بولو" بلکہ یوں کہو کہ "بچو سچ بولا کرو"۔ غرض یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو گناہ اور برائیوں کے الفاظ سے ان کے کان نا آشنا رہیں۔ یاد رکھو جس قدر برائیوں کا ذکر ہوگا (خواہ روکنے کے خیال ہی سے کیوں نہ ہو) اسی قدر برائیاں زیادہ پھیلیں گی، اور جس قدر نیکیوں کا زیادہ ذکر ہوگا اسی قدر نیکیاں پھیلتی جائیں گی۔ ایک ماہر نفسیات اس بات کو خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی برائیوں کا ذکر کرنے سے اسی لئے منع فرمایا ہے۔ اس کی ایک وجہ انسان کی یہ صفت بھی ہے کہ اس کو جتنا کسی کام سے منع کیا جائے اتنا ہی وہ اسے کرنے پر ضد کرتا ہے۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ بچوں کو جو کچھ سکھانا ہو خود کر کے اپنی مثال سے سمجھاؤ۔ بچے الفاظ سے اتنا نہیں سمجھتے جتنا کہ آنکھوں سے دیکھ کر سمجھتے اور سیکھتے ہیں۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم زمانہ حال ہی میں گم رہنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ زمانہ حال کے اندر گم ہو جانا بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ سے دور ہو جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مطلوب شے تو یہ ہے کہ ماضی سے رشتہ استوار رکھو، مستقبل کی فکر کرو اور ان دونوں کو سامنے رکھتے ہوئے زمانہ حال میں اپنے طرزِ عمل کا تعین کرو لیکن اگر صورت حال یہ ہو کہ ماضی سے بھی رشتہ کٹا ہوا ہو، مستقبل کی بھی فکر نہ ہو تو پھر انسان زمانہ حال کے اندر گم ہو کے رہ جاتا ہے۔ یہ چیز انسان کو ایمان کی بجائے کفر کی طرف لے جاتی ہے۔

(ڈاکٹر اسرار احمدؒ)

اوّلین دور کا اسلام

(مرسلہ: سید مدثر حسن بخاری)

ایمان لانے کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ہمیں آنحضرت ﷺ کی دعوت کے اوّلین دور کو دیکھنا ہوگا۔ ایمان لانے کی جو دعوت، آغاز اسلام میں دی گئی وہ پوری حیات انسانی میں ایک عظیم انقلاب لانے کی دعوت تھی اور جو لوگ ایمان لائے ان کی زندگی میں عظیم تغیر پیدا ہوگیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ایمان لانے کے بعد زندگی کے قالب کو مکمل طور پر بدلنا ہوگا۔ دین اسلام کو قبول کرنے والے ایسے مضبوط یقین کے حامل لوگ تھے کہ ایک مرتبہ ایمان لے آئے تو ہر طرح کی تکالیف اور اذیتیں برداشت کرتے رہے لیکن ایمان پر مضبوطی سے قائم رہے حضرت بلال حبشیؓ کا نام ان میں نمایاں ہے اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو پوری طرح جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ سچے اور امین ہیں جھوٹ نہیں بولتے ان کا دامن کردار ہر طرح بے داغ ہے مگر وہ شدید مخالف ہوگئے بلکہ انہوں نے ان لوگوں کو تکلیفیں بھی پہنچائیں جو ایمان لے آئے تھے ایسے مخالف افراد میں نمایاں نام ابوجہل کا آتا ہے تیسرے وہ لوگ تھے جو قرابت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ سے محبت کرتے تھے آپ ﷺ کی حمایت بھی کرتے تھے آپ ﷺ کو سچا اور امین بھی مانتے تھے لیکن آبائی مذہب کو آخر وقت تک چھوڑنے کو تیار نہیں ہوئے آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب اُن میں نمایاں تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عرب کے لوگ ایمان کے تقاضوں کو خوب سمجھتے تھے وہ اپنی زبان دانی کی بنا پر کلمہ لاالٰہ اِلاّاللہ کے مفہوم و معنی کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ نہ صرف یہ جانتے تھے کہ اقرار توحید کا مطلب ایک اللہ کے سوا باقی تمام معبودان باطل کا انکار ہے بلکہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ صرف اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کو تسلیم کیا جائے اور یہ گویا ہر اقتدار کے خلاف ایک کھلا چیلنج ہے حتیٰ کہ اپنی ذات اور نفس کے خلاف بھی اگر وہ اللہ کے احکام وقوانین کے مقابلے میں من مانی کرنے پر تُلا ہوا ہو یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایمان و اسلام کو

آسانی سے قبول نہیں کیا اور جب یہ سب کچھ سمجھ کر قبول کر لیا تو پھر کسی قیمت پر نہیں چھوڑا۔ حضورﷺ نے جس ایمان کی دعوت دی تھی وہ ایک کامل ضابطہ حیات کی اساس و بنیاد تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں یکسر بدل گئیں جھوٹ سے نفرت سچائی سے محبت دیانت داری اخلاص عمل خیر خواہی صاف گوئی حق شناسی، شہادت حق، راست بازی، طہارت ظاہری و باطنی یہ تمام کے تمام اوصاف ان کے مزاج کا جزو بن گئے لہٰذا ایک مومن کے ذہن میں یہ نہیں آسکتا کہ وہ جھوٹ بولے یا فریب دے یا خیانت کا ارتکاب کرے۔ کیونکہ یہ تمام باتیں ایمان کے منافی اور ضد ہیں ایمان دار کسی کا حق نہیں مار سکتا۔ اپنا پیسہ اپنا وقت اپنی توانائی اپنی صلاحیتیں دوسروں کے لئے صرف کر کے مسرور و شادماں ہوتا ہے وہ ایثار کو اس طرح اپناتا ہے کہ اپنی ضرورتوں کے مقابلہ میں دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتا ہے وہ قول کا سچا وعدے کا پکا ہوتا ہے وہ تمام معاملات میں کھرا اور صاف ستھرا ہوتا ہے اس کی معاشی زندگی پاکیزگی و سچائی کا کامل نمونہ ہوتی ہے۔ تمام اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ اس کے ایمان کا لازمی مظہر ہوتے ہیں ایمان لاتے ہی اس کی زندگی کا رنگ بدل جاتا ہے۔ چنانچہ آغاز اسلام کی تاریخ میں ہم جہاں عربوں کو اسلام کے خلاف نبرد آزما پاتے ہیں۔ وہاں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اسلام لاتے ہی اس کے علم بردار پر جوش داعی اور مبلغ بن جاتے ہیں اور پھر وہ اسلام کی راہ میں تن من دھن سب کچھ قربان کرنے کے لئے ہر آن تیار نظر آتے ہیں یہ عظیم تغیر اسلام میں داخل ہوتے ہی ان میں پیدا ہو جاتا ہے۔

ایمان سے ذہنی انقلاب

ایمان لاتے ہی مومن کی زندگی میں انقلاب کے بعد افراد کی زندگی میں تغیر آہستہ آہستہ آتا ہے اور زندگی پہلی نہج پر قائم رہتی ہے ایمان افراد کے دلوں میں اپنا گھر کر کے ذہنی انقلاب پیدا کرتا ہے اور ذاتی زندگی کے تمام شعبوں خصوصاً معاشی زندگی یعنی آمد و خرچ کے

شعبوں میں عمل دخل شروع کر دیتا ہے البتہ پوری سوسائٹی اور معاشرے میں یہ انقلاب رفتہ رفتہ پیدا ہوتا ہے اور معاشرتی انقلاب کیلئے اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک عرصے کے بعد ہی معاشرہ اصلاح پذیر ہوتا ہے چونکہ معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے اس لئے جس قدر افراد صالح نیک اور اچھے ہوتے جائیں گے معاشرہ بھی اسی قدر صالح ہوتا جائے گا اگر افراد کی اکثریت میں ضعف ایمان ہوگا تو اس کا ظہور بددیانتی خیانت رشوت ستانی کذب بیانی فریب دہی جیسے اخلاقی امراض کی صورت میں ہوگا اور وہ معاشرہ بھی بدترین ہوگا۔لیکن جب تک افراد کی زندگی میں تغیر نہیں ہوتا۔معاشرہ درست نہیں ہوسکتا۔

آزمائش: وہ اولین افراد جو دین کی دعوت قبول کرنے میں پہل کریں انہیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ایمان لانے اور نئے ضابطہ حیات کو اختیار کرنے والوں کو لازمی طور پر آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے چنانچہ عہد نبوت کی پوری تاریخ شدید ترین مصائب و آلام سے پُر ہے جس سے خود رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ دوچار رہوئے معاشی تنگی اور مختلف قسم کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا قدم قدم پر صبر وضبط کا امتحان لیا گیا۔

اسلام کی دعوت ایک مسلسل جدوجہد ہے مشرکانہ عقائد پر تنقید ہے۔مذمومہ اخلاق پر نکیر ہے اور مکارم اخلاق کی تعلیم ہے اس کے ردعمل میں مشرکین کی طرف سے جوروستم ہے ایذا رسانی ہے تعدی ہے مصائب ہیں لیکن مکہ میں حکم ہے کہ ماریں کھاؤ مگر مدافعت میں اپنا ہاتھ نہ اٹھاؤ تمہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جائے برداشت کرو اور جھیلو تمہیں تپتی ہوئی زمین پر اس حال میں لٹادیا جائے کہ نیچے زمین توا بنی ہوئی ہو اور اوپر سے سورج آگ برسا رہا ہو پھر تمہارے سینے پر پتھر کی سل بھی رکھ دی جائے اور تمہاری ٹانگوں میں رسی باندھ کر کھینچا جائے تو بھی جھیلو اور برداشت کرو۔صبر کرو۔

تین سال کی قید شعیب بنی ہاشم ہے۔جس میں ایسا وقت بھی آیا کہ کھانے کو کچھ نہ تھا

بھوک اور پیاس کے مارے بنی ہاشم کے بچوں کی زبانیں خشک ہوگئی تھیں ۔بنی ہاشم کا پورا قبیلہ نبی اکرمﷺ کے ساتھ اس گھاٹی میں قید کر دیا گیا تھا۔یوم طائف کو دیکھ لیجئے کہ یہاں ایک دن میں وہ کچھ بیت گیا جو مکہ میں دس سال میں نہیں بیتا تھا۔طائف کے سرداروں نے دعوت حق کو حقارت واستہزا کے انداز میں ٹھکرا دیا پھر صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جب نبی اکرمﷺ بظاہر احوال مایوس ہو کر لوٹنے لگے تو کچھ غنڈوں کو اشارہ کر دیا جنہوں نے پتھروں کی بارش شروع کر دی ۔تاک تاک کر ٹخنے کی ہڈیوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے نالیاں پھٹ جا رہی ہیں ۔حضورﷺ کا جسد اطہر لہولوہان ہو گیا ہے نعلین شریف خون سے بھر گئی ہیں اور پائے مبارک جوتیوں سے چپک گئے ہیں ۔وہاں وہ نقشہ جما ہے کہ جس پر آسمان وزمین لرز گئے ہوں تو کوئی تعجب نہیں ۔

یہ تمام مصائب ومشکلات کے ادوار نبی اکرمﷺ پر بھی آئے اور صحابہ کرامؓ پر بھی اس میں نکتے کی بات یہ کہ ساری جدوجہد انسانی سطح پر ہوئی ہے اللہ تعالیٰ چاہتا تو آنحضرتﷺ کے پاؤں میں کانٹا بھی نہ چبھتا۔لیکن یہ ہوا نہیں یہ اس لئے نہیں ہوا کہ اگر ایسا ہو گیا ہوتا تو ہم پر آپ پر حجت قائم نہ ہوتی ۔انقلاب صرف عرب میں لانا مقصود نہ تھا۔اسے پوری دنیا میں لانا تھا اور وہ انسان کے ہاتھوں آنا تھا وہ ہمارے لئے اسوہ کیسے بنتا اگر حضورﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچی ہوتی یہ ہم پر حجت ہے سب پر حجت ہے کہ اللہ کے رسولﷺ نے جو کچھ کیا وہ خالص انسانی سطح پر کیا ہے سارے دکھ اٹھا کر کیا ہے۔فاقے جھیل کر کیا ہے پتھراؤ برداشت کر کے کیا ہے۔سارے مصائب جھیلے تب انقلاب بپا ہوا۔پھر ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو بھی دشمن نے پیچھا نہ چھوڑا مسلسل حملے اور جنگیں کرتے رہے لیکن یہاں حکم ہے کہ مقابلہ کرو لڑو اور دشمن کو مزہ چکھا دو۔

جب بھی ہم اُس دین کو احیاء کریں گے بالکل اسی طرح مصیبتوں اور مشکلات کے پہاڑ ہم پر ٹوٹ پڑیں گے ۔کیونکہ یہی سنت اللہ ہے۔یہی اسوۂ رسولﷺ ہے ساری دنیا کی قومیں بلکہ اپنے ہی ملک کے لوگ ہمارے دشمن ہو جائیں گے کیونکہ جو معاشرہ توحید کی اساس پر استوار ہوگا اس معاشرے سے ہر باطل کو پرخاش ہوگی ۔لیکن ہماری پہچان یہ ہوگی کہ ہم کوئی غلط

کام نہیں کریں گے وعدہ خلافی نہیں کریں گے ۔دھوکا نہیں دیں گے۔ کسی کا حق نہیں ماریں گے ۔ہر کام صحیح اللہ کے حکم کے مطابق کریں گے اور دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنے کی تلقین کریں گے حق و باطل میں تصادم بالکل طبعی حقیقت ہے اسلام اور کفر دو الگ الگ ملتیں ہیں ان دونوں ملتوں میں باہمی چپقلش ہمیشہ رہی ہے لیکن ہم کو ہر وقت اپنے لئے یہ جانچنا ہوگا کہ ہم کون سی ملت میں ہیں ۔

اقتباس از چراغ راہ خطبہ نمبر ٦ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

"یہ اجتماع بھی اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ جن بھائیوں کو کبھی ملنے کا اتفاق نہ ہوتا ہو وہ یہاں مل کر ایک دوسرے کے اور رنزدیک ہو جائیں اور یہ ملاقات باہمی محبت میں اضافے کا باعث ہو۔لیکن میں یہاں دیکھتا ہوں کہ یہاں بھی اکثر بھائی صرف انہی دوستوں سے ملتے اور تین دن تک انہی کی محبت میں رہتے ہیں جن کو وہ پہلے سے ہی عزیز رکھتے ہیں ۔اس لئے میں سب بھائیوں کو خاص طور پر ہدایت کرتا ہوں کہ یہ خطبہ ختم ہونے کے بعد سے اجتماع کے ختم ہونے تک ہر آدمی نئے نئے بھائیوں سے ملے اور زیادہ وقت انہی کی صحبت میں گزارے ۔اس بات کا تو میں گمان بھی نہیں کر سکتا کہ ہمارے حلقہ میں کوئی آدمی ایسا بھی ہوگا جو اپنے سے غریب یا کم علم بھائی سے ملنے میں عار محسوس کرتا ہو۔پھر بھی میری ہدایت یہی ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے بھائیوں سے ملو جو تم سے مرتبہ، علم یا دولت میں کمتر ہیں ۔اس سے تین فائدے ہونگے ایک تو یہ کہ اگر تمہارے اندر غرور کا کوئی شمہ بھی ہے تو ختم ہو جائیگا۔دوسرا یہ کہ غریب بھائی امیروں اور عالموں سے ملنے میں وہ جو جھجک محسوس کرتے ہیں ان کی اس جھجک اور احساس کمتری کا خاتمہ ہوگا۔تیسرا یہ کہ ہر ایک کے دل میں محبت کا چراغ اور زیادہ منور ہو جائیگا جو اس حلقہ کی تعلیم کا ایک خاص مقصد ہے ۔"

سلام اسلامی معاشرہ کا شعار

(پیر خاں توحیدی)

اسلام کا مقصود انسانی معاشرہ میں سلامتی پیدا کرنا ہے بلکہ اسلام سراسر سلامتی ہے اور **سلام** سلامتی کے کلمات پر مشتمل ہے ۔یہ ممتاز علامت ہے جس سے مسلمان معاشرہ ممتاز ہوتا ہے اور مسلمان کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ **سلام** کو عام کرے ۔اسلام میں **سلام** کا رواج محض معاشرتی رسم کے طور پر نہیں ہے جیسے انسانوں نے مختلف زمانوں میں ایجاد کیا ہے ۔ بلکہ یہ دراصل ایسا متعین اور مقرر بنیادی ادب ہے جس کا اللہ ربّ العزت نے قرآن پاک میں حکم دیا ہے۔

اسلام اپنے پیروکاروں کو اخوت، محبت اور بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔اسلام اتفاق، اتحاد، میل جول اور زندگی کو خوشگوار گزارنے کی تلقین کرتا ہے۔اس لئے جب مسلمان بھائی آپس میں ملتے ہیں تو سب سے پہلے انہیں **سلام** کرنے کا حکم دیتا ہے۔ مسلمان دوسرے مسلمان کو سلام کر کے اُس پر سلامتی بھیجتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ وہ اس کا خیر خواہ ہے۔ سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا فرض ہے ۔**سلام** کرنا ایک زندہ اسلامی معاشرے کی لازمی خصوصیت ہے۔ اس سے قلوب میں گداز پیدا ہوتا ہے، مسلمانوں کا باہمی تعارف بڑھتا ہے اور روابط مضبوط ہوتے ہیں۔حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا تو ان کو فرشتوں کی ایک جماعت کے پاس بھیجتے ہوئے یہ حکم دیا کہ جاؤ ان بیٹھے ہوئے فرشتوں کو سلام کرو اور وہ جواب میں جو دُعا دیں تو اسے غور سے سُننا اور محفوظ رکھنا۔ کیونکہ یہی تمہاری اور تمہاری اولاد کی دُعا ہوگی چنانچہ آدمؑ فرشتوں کے پاس پہنچے اور کہا السلام علیکم فرشتوں نے جواب میں کہا **والسلام علیک و رحمة الله** یعنی **رحمة الله** کا اضافہ کر کے جواب دیا۔(**بخاری، مسلم**)

موجودہ دور میں کچھ لوگ سلام کرنا اور جواب دینا بوجھ سمجھتے ہیں اور اگر سلام کرتے بھی ہیں

تو ہاتھ یا سر کے اشاروں سے سلام کرتے ہیں حالانکہ اسلام کہتا ہے کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملےتو اس سے اپنے تعلق اور مسرت کا اظہار کرنے کیلئے السلام علیکم کہےاور دوسرا بھی جواب میں وعلیکم السلام کہے اور یہی اسلامی طریقہ ہے باقی سارے طریقے غیر اسلامی اور یہود و نصاریٰ کے رائج کئے ہوئے ہیں ۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں" وَ اِذَا جَآئَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ O

" اے نبی ﷺ جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہیے ،السلام علیکم ۔اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے بالواسطہ اُمت کو یہ اصولی تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمان جب بھی مسلمان سے ملےتو دونوں جذبات ،محبت اور مسرّت کا تبادلہ کریں اور اس کا بہترین طریقہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو سلامتی اور عافیت کی دُعا کریں ۔

سلام مسلمان افراد کے درمیان رشتہ مودّت ،اخوت و باہمی اُلفت اور محبت کو استوار کرنے کا ذریعہ ہے ۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل بہتر ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھانا کھلانا اور ہر اس شخص کو سلام کرنا خواہ اسے جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں ۔ایک اور حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "تم لوگ جنت میں نہیں جاسکتے جب تک مومن نہیں بنتے اور تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرو ،میں تمہیں وہ تدبیر کیوں نہ بتاؤں جس کو اختیار کرکے تم آپس میں محبت کرنے لگو اور وہ یہ ہے کہ آپس میں **سلام** کو پھیلاؤ" (مشکوۃ)۔

جب بھی کسی سے ہم کلام ہوں تو ہمیشہ کتاب و سنت کے بتائے ہوئے الفاظ ہی استعمال کریں ۔اِس اسلامی طریقے کو چھوڑ کر سوسائٹی کے رائج کئے ہوئے الفاظ و انداز اختیار نہ کریں **سلام** ایک جامع دُعا ہے کیونکہ جب آپ کسی بھائی سے ملتے ہوئے السلام علیکم کہتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اللہ آپکو ہر قسم کی سلامتی اور عافیت سے نوازے ،تمہارے جان و مال کو سلامت رکھے ،گھر بار اور اہل و عیال کو سلامت رکھے ۔السلام علیکم کے الفاظ سے بھائی کا استقبال کرکے آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ کو وہ ہستی سلامتی سے نوازے جو عافیت کا سرچشمہ اور

سراپا سلام ہے ۔جس کا نام ہی **السلام** ہے اور وہی سلامتی اور عافیت پا سکتا ہے جس کو وہ سلامت رکھے اور جس کو وہ سلامتی سے محروم کر دے وہ دونوں جہانوں میں سلامتی سے محروم ہے ۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ **السلام** اللہ پاک کے ناموں میں سے ایک مقدس نام ہے جسے اللہ نے زمین میں (زمین والوں کیلئے) رکھ دیا ہے پس **سلام** کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ زیادہ سے زیادہ سلام کرنے کی عادت بناؤ اور سلام کرنے میں کبھی بخل نہ کرو کیونکہ **سلام** کرنے سے محبت بڑھتی ہے ۔حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب کسی کو سلام کرو تو اپنا سلام اُسے سناؤ اس لئے کہ سلام اللہ کی طرف سے نہایت پاکیزہ اور برکت والی دُعا ہے ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتنی کرم نوازی ہے کہ مسلمانوں کو ملاقات کے وقت ایک چھوٹی سی دُعا سکھا کر ان کے دلوں میں خیر خواہی ، محبت، خلوص، سلامتی اور عافیت کے انتہائی گہرے جذبات بھر دیئے ہیں ۔اندازہ کیجئے کہ مخاطب کو ملاقات پر قلبی مسرت کا اظہار کرنے، خلوص ومحبت، خیر خواہی اور وفاداری کے جذبات کو ظاہر کرنے کے لئے اس سے بہتر الفاظ کیا ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی ہی جزاء ہے متقی لوگوں کیلئے جن کی روحیں (پاکیزگی کی حالت میں) فرشتے قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں "**السلام علیکم** " جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال صالحہ کے صلہ میں ۔(النحل 32-31) جنت کے ذمہ دار بھی انہی الفاظ کے ساتھ ان کا شاندار خیر مقدم کریں گے۔ " نہ وہ وہاں بے ہودہ بکواس سنیں گے اور نہ گناہ کی باتیں بس (ہر سو) سلام ہی کی صدا ہو گی ۔"

سلام کے آداب

۱) چھوٹے کو چاہیے کہ وہ بڑے کو سلام کرے اور گزرنے والے کو چاہیے کہ وہ بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور کم لوگوں کو چاہیے کہ وہ زیادہ لوگوں کو سلام کریں ۔

۲) سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔
۳) جو آدمی کسی مجلس میں جائے تو وہ مجلس والوں کو سلام کرے اور اگر کوئی مجلس سے اُٹھ کر جانے لگے تو وہ بھی سلام کرے۔
۴) ہر مسلمان کو سلام کیجئے چاہے اس سے تعارف یا تعلقات ہوں یا نہ ہوں۔
۵) جب بھی کہیں جائیں تو سب سے پہلے اہل خانہ کو سلام کریں اپنے گھروں میں بھی جب داخل ہوں تو سلام کریں۔
۶) سلام کرنے میں پہل کیجئے اگر کسی سے کوئی ان بن ہو جائے تب بھی سلام کرنا نہ چھوڑیئے
۷) ہمیشہ زبان سے اور ذرا اونچی آواز سے سلام کریں تاکہ وہ شخص سن سکے جسے سلام کیا جا رہا ہو
۸) جب کسی مجلس میں جائیں تو پوری مجلس کو سلام کریں مخصوص طور پر کسی کا نام لیکر سلام نہ کریں
۹) سلام کے جواب میں وعلیکم السلام پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ، کے الفاظ کا اضافہ کریں۔
۱۰) جب کسی سے ملاقات ہو سب سے پہلے السلام علیکم کہے یک بارگی گفتگو کرنے سے پرہیز کریں جو بات بھی کرنا ہو سلام کے بعد کریں۔
۱۱) سلام کا جواب نہایت خندہ پیشانی اور خوش دلی سے دیں کیونکہ یہ مسلمان بھائی کا حق ہے

مندرجہ ذیل حالات میں سلام کرنے سے پرہیز کریں

۱) جب لوگ قرآن وحدیث پڑھنے پڑھانے میں یا سننے سنانے میں مشغول ہوں۔
۲) جب کوئی خطبہ دینے یا سننے میں مصروف ہو۔
۳) جب کوئی اذان یا تکبیر کہہ رہا ہو۔ ۴) جب کسی مجلس میں کسی دینی موضوع پر گفتگو ہو رہی ہو۔
۵) جب کوئی نماز، نماز جنازہ پڑھ رہا ہو۔

اللہ تبارک تعالیٰ ہمیں سلام کے آداب پر کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

قرآن کی فضیلت اور تقاضے

(ارم صبا-ملتان)

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی اور اُن کی حقیقی کامیابی کیلئے جو مقدس کتاب اپنے پیارے حبیب حضرت محمد ﷺ کے قلبِ منیر پر نازل فرمائی اس کی شان دیگر تمام کتبِ سماویہ سے بلند اور اعلیٰ ہے۔ یہ کتاب علوم و معارف کا ایک خزانہ ہے اور اسکی خوبصورتی نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے جب کہ ہر پیاسے کو اس سے فیض ملتا ہے اور اسکی تعلیمات سے انسان کو اپنی پہچان کے علاوہ خدا شناسی بھی نصیب ہوتی ہے۔

یہ پوری کتاب ہر لحاظ سے سراپا اعجاز ہے اس کا ہر پہلو حسین اور دلربا ہے۔ اس کی مسحور کن آیات میں اتنی دل کشی اور جاذبیت ہے کہ نوعِ انسانی کے سنجیدہ اور ذہین افراد کو اپنی طرف مقناطیس کی طرح جذب کر لیتی ہیں۔ اس کے متوالوں میں اپنے ہیں، پرائے بھی، ادیب بھی اور فلسفی بھی خواہ کوئی عربی تھا یا عجمی ہر ایک نے اس کی چاکری کی اور ہر ایک نے اس کی خدمت کو اپنے لئے باعثِ عزت و افتخار سمجھا۔

علوم قرآن:

قرآنی علوم ایک سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ اس بحرِ بے کراں میں غوّاصی کرنے والوں نے غواصی کا حق ادا کر دیا اور ہر ایک نے اپنی ہمت اور استعداد کے مطابق اس سے اپنے دامن کو موتیوں سے بھرا اور ہر ایک کی جھولیاں تو انمول موتیوں اور علوم و معارف کے خزینوں سے بھر گئیں لیکن اس کے خزینے پھر بھی بھرے کے بھرے رہے اور اس قرآن کے علوم کے خزانوں میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ اس قرآن کے گلستان سے عمر بھر خوشہ چینی کرنیوالوں نے ہار کر یہی اعتراف کیا کہ ہماری جھولیاں ہی تنگ ہیں ورنہ قرآن کے فیضان میں کوئی شک نہیں۔ قرآن نے

اپنے بارے خودکہا: " وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍO

ترجمہ:۔ کائنات کی ہر خشک وتر چیز اس واضح کتاب میں موجود ہے۔

اگر انسان سوچنے لگ جائے کہ دنیا میں کونسی ایسی چیز ہے جو خشکی یا تری سے ماوراء ہے۔کائنات کی ہر چیز پر غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ ہر چیز تین حالتوں میں کسی ایک حالت سے خالی نہیں ہے یا تو وہ چیز خشک ہوگی یا تر ہوگی یا خشکی اور تری کا مجموعہ ہوگی گویا قرآن میں کائنات کی ہر چیز کا علم موجود ہے۔یہ الگ بات ہے کہ دنیا والے اس تک رسائی حاصل نہ کرسکیں۔اس مقدس کتاب کے مضامین پوری زندگی کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اس لحاظ سے یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے

قرآن کا اندازِ بیان:

قرآن کا انداز بیان اس قدر دل کش اور منفرد ہے کہ اسکی آیات کو جو بھی سنتا ہے متاثر ہوتا ہے۔اور اسکی حلاوت دل میں اتر جاتی ہے۔اس کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں بے شمار معانی اور مطالب پوشیدہ ہیں۔اہلِ عرب کو اپنی زبان پر بڑا ناز تھا اور وہ اپنے علاوہ سب کو عجم یعنی گونگا کہتے تھے۔جب قرآن کریم کا نزول ہوا تو خود ان کی زبانیں گنگ ہوگئیں۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ خود حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام سے جب قرآن مجید سنتے تو آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوجاتی۔

جامع اور عالمگیر کتاب:

پہلی آسمانی کتابیں صرف کسی خاص قوم، خاص علاقے اور مخصوص زمانے کیلئے تھیں اس لئے ان کا خطاب بھی محدود لوگوں سے تھا نیز اُن کی تعلیمات بھی جزوی تھیں بلکہ کچھ تو فقط مناجات اور دُعاؤں کا مجموعہ تھیں جبکہ بعض میں چند فقہی مسائل اور عقائد بیان ہوئے تھے لیکن قرآن مجید ایک آفاقی اور عالمگیر کتاب ہے۔جسکی تعلیمات قیامت تک قابل عمل اور فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔اس میں بیان کردہ دین ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔

قرآن کا موضوع انسان ہے کہ انسان کی فلاح اور اس کا خسران کس چیز میں ہے
قرآن کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ ظاہر بینی یا قیاس آرائی یا خواہش کی غلامی کے باعث انسان نے خدا، نظام کائنات، اپنی ہستی اور اپنی دنیاوی زندگی کے متعلق جو نظریات قائم کئے ہیں۔اور ان نظریات کی بناء پر جو روییے اختیار کر لئے ہیں، وہ سب حقیقت کے لحاظ سے غلط اور نتیجے کے اعتبار سے خود انسان ہی کیلئے تباہ کن ہیں۔قرآن کا مدعا انسان کو اس صحیح روّیے کی طرف دعوت دینا ہے اللہ کی اس ہدایت کو واضح طور پر پیش کرنا ہے۔قرآن تمام انسانوں کو ابدی سعادت کی طرف بلاتا ہے اور انسان کے ظاہر و باطن کی ایسی تعمیر کرتا ہے کہ اس کو اللہ کی رضا حاصل ہو۔دنیا اور آخرت کی زندگیوں میں حقیقی چین اور راحت نصیب ہو۔قرآن انسان کے ظاہر و باطن کی اصلاح چاہتا ہے اور بندے کے تعلق باللہ کو مستحکم کرنا چاہتا ہے لیکن وہ یہ کام اسے زندگی کی کشمکش سے کاٹ کر کرنے کی دعوت نہیں دیتا، بلکہ دنیاوی زندگی کے ان ہزاروں، لاکھوں تعلقات کو اللہ کی ہدایت کا پابند بنانا چاہتا ہے۔قرآن نے اس اُمت کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بھی صورت گری کی ہے اور اسے باقی انسانیت کیلئے خیر و اصلاح کا علمبردار بنایا ہے۔جس نے ریگستان کے بدوؤں کو تہذیب و تمدن کا معمار بنایا۔جس نے مفلسوں اور فاقہ کشوں میں وہ لوگ اُٹھائے جو انسانیت کے رہبر بنے جنہوں نے ایک ایسا نظام قائم کیا جس نے طاغوت کی ہر قوت سے ٹکر لی اور اس کو مغلوب کر ڈالا۔

قرآن کے تقاضے:

برف کی طرح پگھلتی اور ہر آن قطرہ قطرہ ختم ہوتی اس زندگی میں یہ بڑا ہی سنہری موقع ہے کہ ہم لمحہ بھر رک کر سوچیں کہ اللہ کریم کی اس کتاب سے ہمارا تعلق کیا ہونا چاہیے؟اور ہمیں اس سے کیا معاملہ کرنا چاہیے تا کہ یہ اپنے اثرات دکھا سکے اور اسکی روشنی دنیا کے گوشے گوشے کو نور سے بھر دے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے اپنے سوئے ہوئے ایمان کو بیدار کیا جائے جو قرآن پر لایا تو ضرور گیا ہے، مگر اس کا یقین اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے جذبے اور شوق سے عاری ہے۔

قرآن پر عمل کیا جائے اور اس کے مطابق اپنے فکر و عمل کو بدلا جائے۔ دل قرآن حکیم کی عظمت اور بلندی، اس کے ایک اعلیٰ اور برتر کلام ہونے کے احساس سے معمور ہو۔ قرآن سے رہنمائی اور رہبری کیلئے رجوع کرنا، اسکے بارے میں غفلت کی روش کو ترک کر کے اسے سمجھنے کی کوشش کرنا۔ اس کتاب کو مضبوطی سے تھامنا اور ہر معاملے میں اس سے ہدایت حاصل کرنا۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے اس کتاب کے اصل اسرار و رموز ہم پر منکشف ہو سکیں گے۔ جب ہم قرآن کے پیغام کو سمجھیں اور اس کی دعوت پر لبیک کہیں۔ قرآن کے بتائے ہوئے طریقے پر چلیں اور اسکی ہدایت کی روشنی میں اپنے معاملات کو طے کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے مطابق عمل کی سعی کریں تو پھر قرآن پر ایمان مفید اور معنی خیز ہو سکتا ہے۔

چار نصیحتیں

حضرت ابراہیم بن اَدھمؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں کوہ لبنان میں کئی اولیائے کرام کی صحبت میں رہا ان میں سے ہر ایک نے مجھے یہی وصیت کی کہ جب لوگوں میں جاؤ تو انہیں ان چار باتوں کی نصیحت کرنا۔ (۱) جو پیٹ بھر کر کھائے گا اُسے عبادت کی لذت نصیب نہیں ہوگی۔ (۲) جو زیادہ سوئے گا اس کی عمر میں برکت نہ ہوگی۔ (۳) جو صرف لوگوں کی خوشنودی چاہے گا وہ رضائے الٰہی سے مایوس ہو جائیگا۔ (۴) جو غیبت اور فضول گوئی زیادہ کرے گا وہ دین اسلام پر نہیں مرے گا۔

(منہاج العابدین صفحہ-98)

سکون قلب

(واصف علی واصفؒ)

دولتِ تسکین، دولتِ حسن کی طرح عطائے رحمانی ہے اس کا کوئی فارمولا نہیں۔ سکون قلب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے قلب کی ایک حالت ہے ایسی حالت جس میں اضطراب نہ ہو۔سکون کی ضد اضطراب ہے۔

اضطراب خواہش سے پیدا ہوتا ہے کسی چیز کو حاصل کرنے کی خواہش یا کسی شے سے نجات کی خواہش ہی باعث بے قراری ہے۔خواہش دنیا کی ہو یا عقبیٰ کی، انسان کو ضرور بے چین کرے گی۔یاد رہے کہ سکون کی خواہش بذات خود ایک اضطراب ہے۔سکون خواہش سے نہیں نصیب سے ملتا ہے۔

جسے سکون قلب حاصل ہو جائے اس کی زندگی میں نہ شکوہ رہتا ہے نہ تقاضا۔وہ نہ خدا کا گلہ مخلوق کے سامنے کرتا ہے نہ مخلوق کی شکایت خدا کے سامنے۔وہ نہ زندگی سے غافل ہوتا ہے نہ موت سے۔وہ ہر حال میں راضی رہتا ہے۔پرسکون انسان مقام صبر کو بھی مقام شکر بنا دیتا ہے۔

آج کے دور میں سکون قلب اس لئے مشکل ہوتا جا رہا ہے کہ زندگی کے تقاضوں اور مذہب کے تقاضوں میں فرق آ گیا ہے زمین کا مسافر سمجھ نہیں سکتا کہ آسمان سے احکام کیوں نازل ہوتے ہیں۔زندگی کی مسرتوں میں عاقبت کا خوف سکون سے محروم کر دیتا ہے۔آج کے انسان کی شخصیت میں فشار ہے۔یہی وجہ ہے کہ سکون نہیں ملتا۔

سکون کی خاطر سفر کرنے والا سکون حاصل نہیں کر سکتا۔سفر میں سکون کہاں؟سکون کی تلاش اپنے حالات، اپنے ماحول اور اپنی زندگی سے بیزاری کا اعلان ہے۔

انسان جس حال میں بے سکون ہوا ہے اسے اس حال میں سکون چاہیے لیکن وہ

غلطی سے کسی اور حال میں سکون دریافت کرنا چاہتا ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ اسے سکون نہیں ملتا۔ آج کا انسان سکون کی خاطر آسمانوں کے دروازے کھولنے چلا گیا ہے لیکن اس سے دل کا دروازہ نہیں کھلتا۔من کی چتا دور نہ ہو تو سکون نہیں مل سکتا۔

آج کا سب سے بڑا المیہ خودگریزی ہے اور سکون کے لئے خودشناسی اور خودآگہی درکار ہے۔ایک دفعہ ایک آدمی جسے اپنے گھر میں سکون نہیں ملتا تھا اپنی بیوی سے کہنے لگا" بیگم میں چاہتا ہوں کہ سکون قلب کی خاطر مقدس سفر اختیار کروں"۔بیوی سمجھ گئی کہ اس کا خاوند اس سے بیزار ہے بولی"اتنے نیک سفر میں دیر کیا ہے چلئے میں بھی اس نیکی کی تلاش میں آپ کے ہمراہ چلتی ہوں۔خاوند نے کچھ دیر سوچا،بولا"چلو جانے دو میرے نصیب میں سکون نہیں۔میں اسی جہنم میں گزر اوقات کرلوں گا"۔

بات دراصل اتنی سی ہے کہ سکون قلب اپنے موجودہ حالات ہی میں مل سکتا ہے۔جسے اپنے دیس میں سکون نہیں ملا،اسے پردیس میں کیا اطمینان حاصل ہوگا۔جسے اپنے گھر میں راحت نہ ملی،اسے اور کون سے گھر میں فرحت ملے گی۔سکون قلب اپنی زندگی ہے،اپنا انداز فکر ہے۔

جو انسان یہ سمجھتا ہے کہ اچھا زمانہ یا تو گزر گیا ہے یا ابھی آیا ہی نہیں،وہ کیسے سکون حاصل کرسکتا ہے ایک دفعہ ایک جگہ کچھ دوست خوش بیٹھے تھے،ایک بے سکون انسان وہاں آیا، بولا" آپ کیوں خوش ہیں"انہوں نے کہا کتنا اچھا موسم ہے،آنے والے نے آہ بھری،بولا "اچھے موسم کب تک بھائی!

اگر خواہش اور حاصل کا فرق مٹ جائے تو سکون مل جاتا ہے۔انسان کو جو پسند ہے حاصل کرلے یا پھر جو حاصل ہے اسے پسند کرلے تو سکون مل جاتا ہے۔جب ہماری تمنا کے پاؤں حاصل کی چادر سے باہر نکل جاتے ہیں،تو ہمیں سکون نہیں ملتا۔سکون حاصل کرنے والے تختہ دار پر بھی پرسکون رہے اور مضطرب رہنے والے تخت شاہی پر بھی سسکیاں بھرتے رہے۔ خواہش کا بے ہنگم پھیلاؤ سکون سے محروم کردیتا ہے،خواہش کی داستان کبھی مکمل نہیں ہوتی۔

آغاز رہ گیا کبھی انجام رہ گیا ۔اور اسی کش مکش میں یہ چند مقدس ایام ہستی ختم ہو جاتے ہیں۔

تمام کا سفر دشت بے اماں کا سفر ہے۔سکون کا سفر اپنی ذات کا سفر ہے ۔اپنے باطن کا سفر ہے سکون کے مسافر گھر ہی میں منزلیں طے کرتے ہیں۔سکون والا انسان اپنے دل میں ہی وہ روشن نقطہ دریافت کر لیتا ہے جس کی ضیاء اسے نور بصیرت عطاء کر کے سکون بخشتی ہے۔

جس انسان کی اپنے ماحول سے اپنے آپ سے صلح ہو وہ پرسکون رہے گا۔برائی کو نیکی سے رفع کرنے والا پرسکون رہے گا ۔اپنے سے کدورت کے داغ صاف کرنے والا پرسکون رہے گا اپنی زندگی کو کسی کا احسان سمجھنے والا پرسکون رہتا ہے۔

<u>سکون حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان سکون کے حصول کی تمنا چھوڑ کر دوسروں کو سکون پہنچانے کی کوشش کرے۔سکون دینے والے کو ہی سکون ملتا ہے۔کسی کا سکون برباد کرنے والا سکون سے محروم رہتا ہے ۔اگر فرض اور شوق یکجا ہو جائیں تو زندگی پرسکون ہو جاتی ہے۔</u>

کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ دولت سے سکون ملتا ہے لیکن دولت اور مال نے کبھی کسی کو سکون نہیں دیا ۔بادشاہوں نے بادشاہی چھوڑ کر درویشی تو قبول کی ہے لیکن کسی درویش نے درویشی چھوڑ کر بادشاہی قبول نہیں کی۔مال جمع کرنے والے اور مال گننے والے پر عذاب ہے۔وہ مال جو خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے ،باعث اطمینان ہو سکتا ہے۔

نفرت ،کینہ، بغض جذبہ انتقام ،حسد، لالچ ،جسم پرستی سکون قلب کے دشمن ہیں۔سکون والا انسان دوسروں کی زندگی اور خوشی کا احترام کرتا ہے۔وہ علم حاصل کرتا ہے، جاہلوں کی خدمت کے لئے۔دولت کماتا ہے، غریبوں کی مدد کے لئے۔وہ گناہ سے نفرت کرتا ہے، گنہگاروں سے نہیں۔وہ ان کی بخشش کی دعا کرتا ہے۔خود جاگتا ہے اور سونے والوں کی سلامتی کی تمنا کرتا ہے۔ وہ مرتبہ حاصل کرتا ہے، مظلوم اور محروم کی اعانت کے لئے۔وہ اپنے گھر اور دل کے دروازے کسی پر بند نہیں کرتا۔وہ اپنے مرتبے سے کسی کو ڈراتا نہیں۔وہ مخلوق کو خالق کا علم سمجھ کر اس کی عزت کرتا ہے۔

سکون کاراہی ہر حال میں پرسکون رہتا ہے۔وہ خوف اورحزن سے آزاد ہے۔وہ غم اور غصے سے بے نیاز ہے۔وہ حسرتوں اور مایوسیوں کو تیاگ چکا ہوتا ہے۔دراصل سکون قلب تقرب حق کا وہ مقام ہے، جہاں انسان نعمتوں سے منعم کی طرف رجوع کر کے اس کے ذکر میں محویت حاصل کرتا ہے۔زندگی کے متلاطم سمندر میں سکون قلب ہی عافیت کا ایک جزیرہ ہے اور نصیب والے ہی اسے دریافت کرتے ہیں۔

سکون قلب اس وقت تک نہیں ملتا جب تک کوئی عطاء کرنے والا نہ ملے۔عطاء کرنے والا ایک نگاہ سے دولت تسکین بخشتا ہے۔اس کا ایک لفظ ہی دل کا قفل کھول کر اسے سکون سے مالامال کر دیتا ہے۔

والدین کی خدمت، استاد کا ادب، سائل اور یتیم کی دعا سکون قلب کے ذرائع ہیں یتیم کا مال کھانے والا ہزار یتیم خانے بنائے، سکون نہیں پائے گا۔پیٹ میں آگ ہو تو دل میں سکون کہاں۔رزق صالح نہ ہو تو سکون قلب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

امانت میں خیانت کرنے والا سکون نہیں پا سکتا۔فطرت سے حاصل ہونے والی پہلی امانت معصومیت ہے۔کسی کا اعتماد امانت ہے۔منصف کا منصب امانت ہے۔خیانت کرنے والا سکون نہ پائے گا۔الفاظ امانت ہیں۔ابہام پیدا کرنے والا مصنف سکون نہ پائے گا۔کم وزن، میعار سے گری ہوئی اشیاء بیچنے والا اور زیادہ منافع کا کاروبار کرنے والا دنیا ہی میں عذاب سے دوچار ہوگا۔اسے سکون نہیں ملے گا۔

دوسروں کا حق غصب کرنے والا زندگی بھر سکون نہ پاسکے گا۔وہ سکون کے لئے بھاگے گا اس کو مکافات کے بچھو اندر ہی اندر ڈسیں گے۔وہ چلائے گا۔اس کی چیخ حلق سے باہر نہ نکل سکے گی جس نے محسنوں سے وفا نہ کی، اس کو بھی سکون نہیں ملے گا۔محسن کا حق ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے، اس کے ساتھ وفا کی جائے۔

ہمارے ملک میں اس شخص پر سکون قلب حرام ہے جس کو اسلام اور پاکستان سے محبت نہ ہو۔اسی طرح اپنے اسلاف سے وابستہ رہنے سے سکون ملتا ہے۔

آج اگر ہم ایک دوسرے کو معاف کر دیں اور ایک دوسرے سے معافی مانگ لیں تو ہمارا مستقبل سکون قلب کے خزانوں سے بھر جائے گا۔کمزور پر رحم کرنا باعث تسکین ہوتا ہے۔کہتے ہیں کہ اگر چڑیا مالک کے گھر میں پنجرے کے اندر بھوک سے مر جائے تو چڑیا کا بنانے والا آسمانوں سے قہر نازل کرتا ہے۔اپنے سے کمتر کا خیال رکھنا سکون قلب کا ذریعہ ہے۔سکون قلب مالک کا قرب ہے اور قرب الٰہی کا واحد ذریعہ سجدہ شکر ہے۔

نورانی چہرے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز کچھ لوگ اپنی قبروں سے اُٹھیں گے تو ان کے چہرے نور سے جگمگا رہے ہوں گے۔وہ موتیوں کے ممبروں پر بٹھائے جائیں گے،لوگ اُن کی شان پر رشک کریں گے،یہ لوگ نہ نبی ہوں گے نہ شہید ہونگے۔ایک بدّو نے سوال کیا۔یا رسول اللہ ﷺ یہ کون لوگ ہیں! ہمیں ان کی پہچان بتا دیجئے،آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں اللہ کی خاطر محبت کرتے ہیں۔

(ابوداوٗد)

تصحیح اعلان

گزشتہ شمارہ مارچ 2013 میں فوتیدگی کے اعلان میں محمد مالک کے والد کی بجائے سہواً والدہ لکھا گیا جس کے لئے ادارہ معذرت خواں ہے۔

اللہ کی محبت

(مرسلہ: محمد افتخار)

محبت کا لفظ خود اپنے اندر بڑی مٹھاس، کشش، کیف، لذّت اور مزہ رکھتا ہے۔ کسی سے تعلق کے ساتھ یہ لفظ بولا جائے تو دل میں زندگی کی ایک رَو دوڑ جاتی ہے۔ ہم سب ہی محبت کے مزے سے آشنا ہیں۔ یہ کوئی انوکھی اور اجنبی چیز نہیں ہے۔ انسانوں کے تعلق سے بھی، محسوسات کے تعلق سے، مال و دولت کے تعلق سے، اپنی عزت اور آن کے تعلق سے بھی، اور خود اپنے نفس سے محبت کے تعلق سے بھی۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ محبت کیا چیز ہوتی ہے۔ اللہ کی محبت کا مزہ اگر دل کو لگ جائے اور دل میں اتر جائے تو یہ کیا کرشمہ دکھاتی ہے۔ عام مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ شاید یہ وہ مقام اور درجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے برگزیدہ بندوں کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تو ایمان کی نشانی ہے، ایمان کی شرط اور ایمان کی روح ہے۔ ایمان کا راستہ ہی عشق و محبت کا راستہ ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ o اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑھ کر محبوب رکھتے ہیں"۔ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کریں گے، اس کے دین پر عمل کریں گے، اس کے دین کو قائم کریں گے۔ اپنی محبت کو پہلے بیان فرمایا کہ جو اس کی راہ پر چل پڑے، اپنے آپ کو اس کے دین کیلئے لگا دے تو وہ اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے۔

محبت تو ایمان کی روح اور جان ہے۔ اس کے بغیر تو ایمان چند الفاظ کا مجموعہ ہے جو زبان سے ادا ہو جائے، ایک لباس ہے جس کو آدمی وضع قطع اور چال ڈھال کے مختلف طریقوں سے اپنے اوپر اوڑھ لے۔ لیکن اصل ایمان تو وہ ہے جو دل کو بھی لذّت بخشے اور جس کے پیچھے چلنے میں مزہ بھی آئے۔ مومن کو اللہ اور اس کا رسول ہر چیز سے زیادہ پیارے اور محبوب ہو جائیں۔ جب یہ کیفیت ہوتی ہے تبھی ایمان دل میں اترتا ہے، ایمان کا مزہ ملتا ہے، ایمان کے مطالبے آدمی دل سے پورے کرتا ہے۔ محبت خود سکھانے والوں میں سب سے بڑی سکھانے والی اور قوتوں میں

سب سے بڑی قوت ہے۔ یہ انسانوں کے دل فتح کر لیتی ہے۔ جس کو بھی آپ محبت دیں گے وہ مفتوح ہو جائیگا۔ اس کا دل بھی فتح ہو جائیگا۔ محبت ہی زندگی ہے اس کی کمی اُن سارے مسائل کی جڑ ہے جو ہمیں درپیش ہیں۔ جتنی محبت پیدا ہوتی جائے گی، دل میں اترتی جائے گی۔ اتنا ہی مسائل کا جنگل صاف ہوتا چلا جائیگا۔ محبت مصنوعی ذرائع سے پیدا نہیں کی جا سکتی اور طبعی چیز نہیں ہے جس طرح باپ کو بیٹے سے ہوتی ہے، ایک مرد کو عورت سے ہو جاتی ہے، یا کسی کو کسی حسین چیز سے ہو جاتی ہے۔ حسن و جمال اور کمال اگر سب سے بڑھ کر کسی کے پاس ہے تو وہ حبیب دو عالم ﷺ ہیں اور آپ ﷺ کا حُسن پوری کائنات میں جلوہ گر ہے۔ یہی حسن ازلی، ابدی اور اعلیٰ ہے۔

ہر ذی نفس کا ہر سانس جو اندر جاتا ہے، باہر آتا ہے وہ بھی اللہ کا احسان ہے۔ اس احسان کا شکر ذکر الٰہی کی صورت میں بجا لانا چاہیے۔ شکر اور تعریف محبت کے بغیر نہیں ہو سکتی اور محبت تو شکر کے بیج سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ دین کی بنیاد ہے، ایمان کا تقاضا ہے۔ ایمان کی راہ عشق و محبت کی راہ ہے اور اسی سے یہ منزل آسان ہوتی ہے۔

محبت کا تقاضہ ہے کہ سب سے بڑھ کر محسن حقیقی سے محبت کی جائے، ویسے تو اللہ نے اور چیزوں میں بھی محبتیں رکھی ہیں جیسے مال، عزیز و اقرباء کی محبت، دنیا میں اپنے لئے عزو جاہ کی محبت وغیرہ لیکن جب اللہ کی محبت کا تقاضا آئے تو وہ سب پر غالب ہونا چاہیے۔ جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو اسی کی طرف دھیان لگا رہتا ہے، اسی کا خیال رہتا ہے اُسی کا نام زبان پہ رہتا ہے۔ اُس سے ملاقات کا موقع مل جائے تو وہ غنیمت ہوتا ہے۔ اگر پانچ وقت مل جائے تو اس سے بڑھ کر محبت کرنے والوں کیلئے اور کیا سعادت ہو سکتی ہے! اللہ سے ملاقات کا شوق ہی محبت کی علامت ہے۔ انسان اپنے محبوب کے بتائے ہوئے کام پوری دھن سے کرتا ہے، اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ ایسے کام بھی کرتا ہے جو اس کے محبوب نے لازم، فرض نہیں کیے بلکہ ان کے بجالانے میں لگا رہتا ہے۔ اس کو ہر وقت یہ دھن سوار رہتی ہے کہ کہاں سے، کس طرح، کون سا ایسا موقع مل جائے جس سے اس کو خوش کر دوں اور اس کے قریب ہوتا چلا جاؤں۔

حقوق العباد کی اہمیت

(پروفیسر غلام شبیر شاہد ہوتوانی)

حقوق العباد کی دین میں بہت اہمیت ہے ۔حقوق اللہ تو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں یعنی اگر خدانخواستہ حقوق اللہ سے متعلق کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو اس کا علاج بہت آسان ہے کہ انسان کو جب کبھی اس پر ندامت ہو تو توبہ و استغفار کر لینے سے معاف ہو جاتے ہیں لیکن بندوں کے حقوق ایسے ہیں کہ اگر ان میں کوتاہی ہو جائے تو اس پر کبھی ندامت بھی ہو اور اس پر توبہ استغفار بھی کرے تب بھی وہ گناہ معاف نہیں ہوتے جب تک کہ حقدار کو اس کا حق نہ پہنچایا جائے یا جب تک صاحب حق اس کو معاف نہ کر دے ۔اس لئے حقوق العباد کا معاملہ بڑا سنگین ہے ۔

حقوق العباد سے غفلت:

حقوق العباد کا معاملہ جتنا سنگین ہے ہمارے معاشرے میں اس سے غفلت اتنی ہی عام ہے ہم لوگوں نے چند عبادات کو مکمل دین سمجھ لیا ہے یعنی نماز، روزہ، زکوۃ حج، ذکر، تلاوت تسبیح وغیرہ ۔لیکن حقوق العباد کو ہم اہمیت نہیں دیتے اور اسی طرح ہم نے معاشرتی حقوق کو بھی دین سے الگ کر رکھا ہے ۔اس میں اگر کوئی شخص کوتاہی یا غلطی کرتا ہے تو اس کو اس کی سنگینی کا احساس نہیں ہوتا ۔

اگر کوئی مسلمان شراب نوشی، زنا وغیرہ کی عادت میں مبتلا ہے تو ہر وہ مسلمان جو صالح فطرت ہے وہ اس کو برا سمجھے گا اگر خود وہ شخص مبتلا ہو تو وہ اپنے اس فعل پر نادم ہوگا کہ میں گناہ کا کام کر رہا ہوں لیکن اگر دوسرا شخص جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے تو اس غیبت کرنے والے کو معاشرے میں شراب پینے والے اور زنا کرنے والے کے برابر برا نہیں سمجھا جاتا اور نہ غیبت کرنے والا اپنے آپ کو گناہگار اور مجرم خیال کرتا ہے ۔حالانکہ گناہ کے اعتبار سے شراب پینا جتنا بڑا گناہ ہے غیبت کرنا بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے بلکہ غیبت اس لحاظ سے شراب پینے سے زیادہ سنگین ہے کہ اس کا تعلق

حقوق العباد سے ہے۔اتنی سنگینی کے باوجود یہ گناہ معاشرے میں عام ہوگیا ہے شاید ہی کوئی محفل اس گناہ سے خالی ہوتی ہواور پھر اس کو برا بھی نہیں سمجھا جاتا۔غیبت زنا سے بدتر ہے۔

حقوق العباد تین چوتھائی دین ہے:

حقوق العباد میں معاشرت،معاملات اوراخلاقیات شامل ہیں۔آج کل ہر چیز کے معنی ومفہوم بدل گئے ہیں۔حتیٰ کہ اخلاق کا مفہوم بدل گیا۔آج صرف چند ظاہری حرکات کا نام اخلاق ہے مثلاً مسکرا کر مل لئے،ملاقات کے وقت رسمی الفاظ ادا کردیئے۔یہ کہہ دیا کہ "آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی"۔لیکن دل کے اندر عداوت اور حسد کی آگ سلگ رہی ہے۔آج اسی کا نام خوش اخلاقی ہے۔نہیں! بلکہ یہ ریاکاری اور دکھاوا ہے۔حسن اخلاق تو دل کی اندرونی کیفیت کا نام ہے جس میں ساری مخلوق خدا کی خیر خواہی ہواور ان سے محبت ہو خواہ وہ دشمن اور کافر ہی کیوں نہ ہواور یہ سوچو کہ یہ میرے مالک کی مخلوق ہے لہذا مجھے اس سے محبت رکھنی چاہیے۔

حقوق العباد کا وسیع تصور:

لوگوں کے حقوق غصب کرنا خواہ وہ پیسے کی شکل میں ہوں یا عزت کی شکل میں یا جان کی شکل میں ہوں۔یہ اتنا خطرناک معاملہ ہے کہ گناہ تو توبہ سے معاف ہوجاتے ہیں لیکن حقوق العباد توبہ اور استغفار سے بھی معاف نہیں ہوتے۔اگر کوئی شخص شراب پیئے معاذاللہ،زنا کرے، جوا کھیلے،کوئی اور گناہ کرے اور کتنے ہی بڑے بڑے گناہ کئے ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور حاضر ہوکر گڑگڑا کر سچے دل سے توبہ کرے تو سرکاردو عالمﷺ فرماتے ہیں۔جو ایک مرتبہ گناہ سے تائب ہوجائے تو ایسا ہوجاتا ہے جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں۔مگر بندوں کے حقوق معاف نہیں ہوتے۔اس معاملہ میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

حقیقی مفلس

ایک مرتبہ نبی اکرمﷺ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ مفلس کسے کہتے ہیں

؟مفلس کے کیا معنی ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ مفلس تو اسے کہتے ہیں جس کے پاس دنیا اور درہم نہ ہوں یعنی جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو۔ دولت نہ ہو وہ مفلس ہے حضور ﷺ نے فرمایا وہ حقیقی مفلس نہیں، حقیقی مفلس وہ ہے کہ جب قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو تو نیکیوں سے اس کا میزان عمل کا پلڑا ابھرا ہوا تھا بہت سی نیکیاں لے کر آیا تھا نمازیں پڑھی تھیں، روزے رکھے تھے تسبیحات پڑھی تھیں، اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا تھا، تعلیم کی تھی تبلیغ کی تھی، دین کی خدمات انجام دی تھیں، بہت ساری نیکیاں اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں لے کر آیا تھا لیکن جب نیکیاں پیش ہوئیں تو معلوم ہوا کہ نیکیاں تو بہت کی تھیں لیکن بندوں کے حقوق ادا نہ کئے کسی کو مارا، کسی کو برا کہا، کسی کا دل دکھایا، کسی کو تکلیف پہنچائی، کسی کی غیبت کی، کسی کی جان پر حملہ آور ہوا، کسی کا مال کھایا، کسی کی آبرو پر حملہ کیا۔ بندوں کے حقوق مارے، لوگوں کو اپنے ہاتھ سے اپنی زبان سے اور مختلف طریقوں سے تکلیف پہنچائی تھی۔ اب جب اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ وہاں تو عدل ہے، انصاف ہے، اس لئے جن کے حق مارے تھے ان سے کہا جائے گا کہ تم اس سے اپنا حق وصول کرو۔ کس کا پیسہ کھایا تھا اس سے پیسے وصول کرو۔ اب وہاں کوئی پیسے تو ہیں نہیں نہ مال و دولت، وہ حق کیسے ادا کرے۔ باری تعالیٰ فرمائیں گے یہاں کا سکہ روپیہ، پیسہ نہیں، یہاں کا سکہ تو وہ نیک اعمال ہیں جو اس نے دنیا میں کئے تھے۔ لہٰذا اسی کے ذریعے تبادلہ ہوگا۔ چنانچہ جس کے پیسے کھائے تھے اس سے کہا جائے گا اس کی نیکیاں اس کے نامہ اعمال سے لے لو، اس نے بہت ساری نفلی نمازیں پڑھی تھیں وہ سب ایک صاحب حق کو مل گئیں۔ دوسری نماز دوسرا صاحب حق لے گیا، روزے تیسرا صاحب حق لے گیا۔ جتنے نیک اعمال کئے ایک ایک کر کے لوگ لے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی وہ جتنا ڈھیر لے کر آیا تھا وہ سارے کا سارا ختم ہو گیا اب کچھ باقی نہیں۔ کچھ لوگ پھر بھی کھڑے ہیں کہ پروردگار ہمارا حق رہ گیا ہے۔ ہمارے پیسے کھائے تھے، ہمیں بھی برا بھلا کہا تھا۔ ہماری بھی غیبت کی تھی، اس سے ہمارا بدلہ دلوایئے۔ اب اس کے پاس نیکیوں کا ذخیرہ تو ختم ہو گیا۔ بدلہ کیسے

دلائیں ۔اللہ تعالیٰ!فرمائیں گے کہ اب راستہ یہ ہے کہ تمہارے جو گناہ ہیں وہ تمہارے نامہ اعمال سے مٹا کر اس کے نامہ ءاعمال میں ڈال دیئے جائیں ۔تم نے غیبت کی تھی تمہارے نامہ اعمال سے گناہ معاف ،وہ گناہ اس کو دیدیئے جائیں ۔تم نے کوئی اور ناجائز کام کیا تھا اس ناجائز کام کا گناہ تمہارے نامہ ءاعمال سے مٹا کر اس کے نامہ ءاعمال میں لکھ دیا جائے گا۔

تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نیکیوں کا ڈھیر لے کر آیا تھا لیکن بندوں کے حقوق کا معاملہ ہوا تو بجائے اس کے کہ وہ نیکیاں باقی رہتیں بلکہ لوگوں کے گناہ بھی اس کی گردن پر ڈال دیے گئے فرمایا حقیقت میں مفلس وہ ہے جو نیکیاں لے کر آیا تھا اور گناہوں کا بوجھ لے کر جارہا ہے۔

مسلمان کی عزت وعظمت:

کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے ۔ایسا ہی گناہ جیسے شراب پیا، ڈاکہ ڈالنا چوری کرنا، زنا کرنا ۔حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کا طواف فرمارہے تھے ۔نبی کریم ﷺ کعبہ کو خطاب کر کے فرمارہے ہیں کہ اے اللہ کے گھر!تو کتنی حرمت والا ہے، کتنی عظمت والا ہے کتنے تقدس والا ہے، کتنا مقدس ہے ۔حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ لیکن ایک چیز ایسی ہے جس کی عظمت جس کا تقدس تجھ سے بھی زیادہ ہے۔حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں چونکا کہ وہ کون سی چیز ہے کہ جس کی عزت وحرمت اور جس کی عظمت بیت اللہ سے بھی زیادہ ہے؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ چیز ہے ایک مسلمان کی جان،اس کا مال،اس کی آبرو۔

مسلمان کی جان،مال،اور مسلمان کی آبرو کعبۃ اللہ کی حرمت سے زیادہ ہے۔

کسی مسلمان کی جان یا مال اور آبرو کو نقصان پہنچانا ایسا ہے جیسے کوئی کعبۃ اللہ کو ڈھادے کعبہ کا گرانا جتنا بڑا گناہ ہے اتنا ہی کسی مسلمان کی جان،مال، آبرو پر ناحق حملہ کرنا گناہ ہے۔

ترانۂ توحیدیہ

ہر وقت تصوّر ہے تیرا ، ہر وقت سرور و مستی ہے
تم خود ہو مجسمِ میخانہ ، آنکھوں سے شراب برستی ہے
ذرا گھونگٹ رُخ سے اُٹھا جانا، تیری دید کو آنکھیں ترستی ہیں
بَھلا اس میں بگڑتا ہے کیا تیرا ، میرے دل کی دنیا بستی ہے
ساغر میں کہاں یہ رنگینی، صہبا میں یہ ساقی کیف کہاں
یہ تیری نظر کا صدقہ ہے ، یہ تیری نظر کی مستی ہے
مخمور جوانی میں کوئی فردوس بداماں آتا ہے
گلشن کی فضائے ہستی میں پھولوں کی شراب برستی ہے
اے جانِ تمنّا جانِ حزیں، اے حاصلِ ایماں حاصلِ دین
قربان میں تیرے قدموں پہ کیا دل کیا دل کی ہستی ہے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پید ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



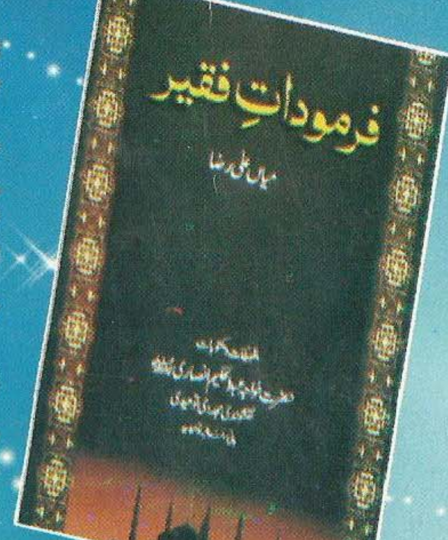
مقصودِ حیات

مصنّف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو انہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اس میں تصوّف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوّف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندۂ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

فرموداتِ فقیر

مرتب: میاں علی رضا



بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خانؒ کی سوانح حیات کیساتھ اس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف ان کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔

Reg: CPL - 01

Website:www.toheedia.net